نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُونَ (القرآن)

طلبۂ مدارس اہل سنت کے دینی و علمی ترجمان

سہ ماہی

القلم

کی عقیدت افروز پیش کش

سیرت النبی ﷺ نمبر

ربیع الاول ۱۴۴۶ھ

تا

جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ

سہ ماہی القلم شمارہ نمبر (۹)

نام: سہ ماہی القلم کا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نمبر (ربیع الاول تا جمادی الاولی ۱۴۴۶ھ)

زیر سرپرستی: حضور رفیق ملت، سید نجیب حیدر میاں نوری برکاتی (دامت برکاتہ العالیہ)

زیر حمایت: امان اہل سنت، سید محمد امان میاں برکاتی (دام ظلہ العالی)

زیر صدارت: اساتذۂ جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف (ادامہم اللہ بالعزوالکرامہ)

زیر اہتمام: بزم خامہ فرسائی، جامعہ احسن البرکات مارہرہ شریف

ایڈیٹر: محمد ارقم رضا حسنی ازہری

تزئین: القلم ارٹس

ناشر: القلم ڈیجیٹل اکیڈمی

Click here for contact:

Telegram

Whatsapp

آئینۂ القم

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اداریہ

اچھے معاشرے کی تشکیل میں سیرت النبی ﷺ کی اہمیت وضرورت

محمد ارقم رضا احسنی ازہری

ایڈیٹر سہ ماہی 'القلم'

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

((لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَ اَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ)).[سورۃ الحدید، آیت:۲۵]

ترجمہ: بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اُتاری کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

اس آیت کریمہ سے رسولان عظام کی بعثت کا مقصد واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام و رسولان عظام کی بعثت کا مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام اور معاشرے کی درست و صحیح تشکیل ہے۔ اچھے معاشرے کی تشکیل کے لیے انبیائے کرام، خصوصاً ہمارے آقا و مولی، مدنی تاجدار، حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ کی اتباع کرنا، اور اپنی زندگی میں نقوش سیرت کو تطبیق دینا، لازم و ضروری ہے، سیرت نبوی کو اپنائے بنا، اچھا معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔

اچھے معاشرے کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ جس معاشرے میں عدل وانصاف قائم ہو، کسی کے حقوق نہ مارے جائیں، ظلم وستم کا وجود نہ ہو، رنگ، نسل، مال و دولت وغیرہ کے سبب انسانوں میں کوئی تفریق نہ ہو، چھوٹے بڑوں کا احترام کریں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کریں، بھائی بھائی کا دشمن نہ ہو، قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ نہ ہو۔ غرضیکہ اچھا معاشرہ وہ ہے جو امر بالعروف و نہی عن المنکر کا حامل، ہر طرح کے ظلم و عیب سے دور، اور بھلائیوں کے قریب ہو۔ اور ایسے معاشرے کی مثال نبوی معاشرے کے سوا کائنات میں کہیں نہیں ملتی، کرۂ ارضی پر کوئی ایسا قائد نہیں جس نے ہر زاوئے سے معاشرے کی اصلاح فرمائی ہو اور خود بھی اس پر عمل کیا ہو۔ حضور ﷺ نے معاشرے کو اچھا بنانے کے لیے امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر زور دیا، اپنے اصحاب کو اس کا پیکر بنایا۔ اور لوگوں کا اللہ تعالی کا یہ پیغام سنایا:

"وَ لۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ". (آل عمران: ۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

اور حضور اکرم ﷺ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ خود عمل پیرا ہونے پر تعلیم فرمائی، اور تارک کے کے لیے وعید سنائی۔ مصطفی کریم ﷺ نے فرمایا:

((يؤتى بالرجل يوم القيامة فيلقى في النار فتندلق أقتاب بطنه فيدور بها كما يدور الحمار بالرحى فيجتمع إليه أهل النار فيقولون يا فلان ما لك ألم تكن تأمر بالمعروف وتنهى عن المنكر فيقول بلى قد

كنت آمر بالمعروف ولا آتيه وأنهى عن المنكر وآتيه)).[صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، باب عقوبة من يأمر بالمعروف ولا يفعله وينهى عن المنكر ويفعله، رقم الحديث:٧٦٧٤]

ترجمہ: "قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پس اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کو گھسیٹتے ہوئے اسی طرح گھومے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ پھر اہل جہنم اس کے گرد جمع ہوں گے اور کہیں گے: اے فلاں! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم نیکی کا حکم نہیں دیتے تھے اور برائی سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا: ہاں، میں نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا، اور برائی سے روکتا تھا لیکن خود وہ کام کرتا تھا۔"

حضور ﷺ نے والدین اور اعزاء و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کا پیغام دیتے ہوئے رب العزت کا یہ فرمان عالیشان سنایا:

"لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ- وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا". (سورۃ البقرۃ: ۸۴)

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔

حضور ﷺ نے اپنی امت کو شراب جیسی وبا سے نجات دلانے کے لیے یہ وحی بھی تلاوت فرمائی: "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ". (المائدۃ: ۹۰)

ترجمہ: شراب اور جُوا، اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد نے جگہ جگہ جا کر یہ پیغام سنایا، تو جو لوگ شراب پی رہے تھے، سب نے چھوڑ دی، شراب کے مٹکوں اور برتنوں کو بہادیا، حتی کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ اور اہل اسلام صرف ایک کلمہ "فَاجْتَنِبُوْهُ" کو سن کر ابد تک کے لیے شراب سے دور ہو گئے۔

مصطفی کریم ﷺ نے اپنی امت کو امانت اور عدل و انصاف کا درس دیتے ہوئے یہ آیت تلاوت کر کے سنائی: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا-وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِؕ-اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖؕ-اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا". (النساء: ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انھیں سپرد کرو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

امانت میں خیانت کرنے والے کے تعلق سے مصطفی کریم ﷺ نے فرمایا:

((آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان)) [صحيح البخارى، كتاب الإيمان، باب علامة المنافق، رقم الحديث: ٣٣]

ترجمہ: منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بولے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب اسے امانت دی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

پیارے آقا ﷺ نے فرمان الٰہی سنا کر اپنی امت کو ناپ تول مکمل کرنے اور اس میں کمی نہ کرنے کی تعلیم فرمائی:

"اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ". (سورۃ ھود: ۸۵)

ترجمہ: ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو۔

اچھے معاشرے کے لیے مصطفی کریم ﷺ نے انسانیت کو رب تعالی کا یہ عظیم فرمان بھی بتایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِيۡتَآءِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَ يَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡىِ‌ۚ يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ". (النحل: ۹۰)

ترجمہ: بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی اور رشتہ داروں کے دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو۔

اسی طرح حضور ﷺ نے زندگی کے ہر لمحہ کے لیے وحی اور سنت کے ذریعہ ایسی تعلیمات ارشاد فرمائیں، جن پر اچھے معاشرے کی بنیاد موقوف ہے۔ ان تعلیمات کے بنا، اچھے

معاشرے کا وجود تو دور، تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضور ﷺ کی یہ تعلیمات صرف اقوال تک محدود نہیں، بلکہ سرکار ﷺ نے ان تعلیمات کو عملی جامہ پہنایا۔ کتب سنن اس کی ناطق ہیں۔ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كَلاَّ وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ.[صحيح البخاري، كتاب بدء الوحي، باب من الوحي الرؤيا الصالحة، رقم الحديث: ۳]

ترجمہ: "ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔"

عن أنس بن مالك قال خدمت رسول الله صلى الله عليه وسلم عشر سنين والله ما قال لي أفا. قط ولا قال لي لشيء لم فعلت كذا وهلا فعلت كذا۔[صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقا، رقم الحديث: ٦١٥١]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ اللہ کی قسم، آپ نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا، اور کبھی یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کیوں کیا یا یہ کیوں نہیں کیا۔"

جب ہم کتب سیر و تواریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد چند ہی سالوں میں دنیا کا معاشرتی نقشہ بدل گیا۔ جو لوگ معاشرتی

بدحالی کا شکار تھے وہی لوگ بہترین معاشرتی زندگی کے لیے کسوٹی اور پیمانہ بن گئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے دلوں سے ایک دوسرے کی نفرت کو نکال کر ایک دوسرے کے لیے محبت بھر دی، نتیجۃً وہ اپنی ذات اور ضروریات پر دوسرے مسلمان کی ذات اور ضروریات کو مقدم رکھنے لگے ،اور خون کے پیاسے محبت کے خوگر بن گئے۔تاریخ آج بھی ورطۂ حیرت میں ہے کہ اتنا بڑا معاشرتی انقلاب چند سالوں میں کیسے ممکن ہوا؟۔

یہ سب اثر تھا نبی کریم ﷺ کی تعلیمات اور سیرت طیبہ کا۔ حضور ﷺ نے اپنی نبوی بصیرت و حکمت سے ایسے معاشرے کی تشکیل دی کہ رہتی دنیا تک زمین اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی فہم و فراست سے جانے کتنی آپسی جنگوں کو روکا،اور بھائیوں کے ہاتھوں بھائیوں کا خون بہنے سے بچا لیا۔

جب حضور ﷺ کی عمر شریف (۳۵) برس کی ہوئی، تو زوردار بارش سے حرم کعبہ میں ایسا عظیم سیلاب آگیا کہ کعبہ کی عمارت بالکل ہی منہدم ہوگئی۔قریش نے مل جل کر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔اس تعمیر میں حضور ﷺ بھی شریک ہوئے۔جب عمارت حجر اسود تک پہنچ گئی تو قبائل میں سخت جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اٹھا کر دیوار میں نصب کریں۔تاکہ ہمارے قبیلہ کے لیے یہ فخر و اعزاز کا باعث بن جائے۔اس کشمکش میں چار دن گزر گئے یہاں تک نوبت پہنچی کہ تلواریں نکل آئیں، بنو عبد الدار اور بنو عدی کے قبیلوں نے تو اس پر جان کی بازی لگا دی۔اور زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنی قسموں کو مضبوط کرنے کے لیے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن

حرم کعبہ میں تمام قبائل عرب جمع ہوئے اور اس جھگڑے کو طے کرنے کے لیے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ تجویز پیش کی کہ کل جو شخص صبح سویرے سب سے پہلے حرم کعبہ میں داخل ہو اس کو پنچ مان لیا جائے۔ وہ جو فیصلہ کردے سب اس کو تسلیم کرلیں۔ چنانچہ سب نے یہ بات وہ جو فیصلہ اس مان لی۔ خدا عزوجل کی شان کہ صبح کو جو شخص حرم کعبہ میں داخل ہوا وہ حضور رحمت عالم ﷺ ہی تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اٹھے کہ واللہ یہ امین ہیں لہذا ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ حضور ﷺ نے اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ فرمایا کہ پہلے آپ نے یہ حکم دیا کہ جس جس قبیلہ کے لوگ حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کے مدعی ہیں ان کا ایک ایک سردار چن لیا جائے۔ چنانچہ ہر قبیلہ والوں نے اپنا اپنا سردار چن لیا۔ پھر حضور ﷺ نے اپنی چادر مبارک کو بچھا کر حجر اسود کو اس پر رکھا اور سرداروں کو حکم دیا کہ سب لوگ اس چادر کو تھام کر مقدس پتھر کو اٹھائیں۔ چنانچہ سب سرداروں نے چادر کو اٹھایا اور جب حجر اسود اپنے مقام تک پہنچ گیا تو حضور ﷺ نے اپنے متبرک ہاتھوں سے اس مقدس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس طرح ایک ایسی خونریز لڑائی مل گئی جس کے نتیجہ میں نہ معلوم کتنا خون خرابا ہوتا۔ (سیرت مصطفی، ص:۹۷، مطبوعہ دعوت اسلامی)

یہ تو صرف ایک واقعہ ہے، جب ہم سیرت مطہرہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی مبارک زندگی کا ہر ہر لمحہ معاشرے کی اصلاح پر مشتمل تھا۔ نبی کریم ﷺ کی معاشرتی زندگی پر کوئی صاحبِ فکر و دانش انگلی نہیں اُٹھا سکتا، اتنی جامع و مکمل معاشرتی زندگی دنیا میں حضور ﷺ کے علاوہ کسی کو عطا ہی نہیں کی گئی، حسنِ معاشرت کے تمام چشمے

نبی کریم ﷺ کے قدموں سے پھوٹے۔ دنیاوی سطوت واُخروی نجات کی تمام جہتیں آقا علیہ السلام کے نقشِ پا میں پنہاں ہیں۔

آج کی جاں بلب انسانیت کو بھی نبوی تعلیمات اور نبوی معاشرت کی ضرورت ہے، ہمارا معاشرہ انسانیت کے لیول سے نیچے گر چکا ہے، تعلیم میں ہم دنیا سے بہت پیچھے ہیں، صحت میں بھی بہت پیچھے ہیں۔ غرض معاشرتی بدحالی اور اخلاقی زبوں حالی کی ریڈ لائن عبور کر چکے ہیں، ایسے میں بہت زیادہ ضروری ہے کہ ہم نبوی معاشرت کو آئیڈیل بنائیں اور انہی خطوط پر اپنے معاشرے کی تشکیل کریں۔ تاکہ ہمارا معاشرہ ایک بہترین معاشرہ بن سکے۔

اللہ کریم ہم کو حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور ہمارے معاشرے کو نبوی معاشرے کا فیضان عطا فرما کر ہمارے معاشرے کی حالت کو بہتر بنائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین ﷺ

محمد ارقم رضا احسنی ازہری

متعلم جامعہ ازہر شریف، قاہرہ مصر

۲۴\صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک نظر میں

سمیر احمد فیضی

جامعہ ازہر شریف، قاہرہ مصر

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت باسعادت، راجح قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول شریف ۲۲ اپریل ۵۷۱ء، پیر کے دن ہوئی۔ صبح صادق کی دل افروز ساعت، رات کی سیاہی ختم ہو رہی تھی، دن کا اجالا پھیلنے لگا تھا، تب حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے گھر مسرتوں اور سعادتوں کا ایک ایسا نور چمکا جس سے ساری کائنات منور ہو گئی۔ ایک ایسا مبارک و مسعود مولود جو ساری کائنات کے لیے خوشی و مسرت کی حسیں سوغات لیکر آیا۔ آپ مختون (ختنہ شدہ) اور ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر شریف (۶۳) سال ہوئی، (۵۳) سال مکہ شریف میں بسر فرمائے، اور (۱۰) سال کی مقدس زندگی مدینہ طیبہ میں گزاری۔

ولادت کے چوتھے سال شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ چار بار پیش آیا۔ ایک، زمانۂ طفولیت میں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنھا کے پاس۔ دوسری بار، دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ تیسری بار، واقعۂ بعثت کے وقت پیش آیا۔ اور چوتھی بار، واقعۂ معراج کے موقع پر۔

حضور ﷺ تقریباً چھ سال تک حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رہے۔ ولادت کے چھٹے سال آپ کی والدۂ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا نے اپنے مائکے میں ایک ماہ کا قیام کیا ،وہاں سے واپسی پر مقام ابواء میں ان کا انتقال ہوا، اور وہیں مدفون ہوئیں۔(شرح المواہب للزرقانی)

ولادت کے ساتویں سال آپ اپنے دادا عبد المطلب کی تربیت میں پروان چڑھتے رہے۔اور ولادت کے آٹھویں سال دادا محترم کا انتقال ہو گیا۔ دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آگئے۔(طبقات ابن سعد)

ولادت کے بارہویں سال آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے پہلے تجارتی سفر میں شرکت کی، اسی سفر میں بحیرا راہب نے حضور ﷺ کی نبوت کی پیشین گوئ بھی کی۔(الخصائص الکبری)

اور ولادت کے چودھویں سال یا پندرہویں سال اور بعض روایات کے مطابق بیسویں سال عربوں کی مشہور لڑائ "حرب الفجار" پیش آئی،اس جنگ میں آپ اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر شریک تو ہوئے ، لیکن قتال میں حصہ نہی لیا۔ اور ولادت کے سولہویں سال میں آپ نے اہل مکہ کے (پانچ خاندانی معاہدے) "حلف الفضول "نامی معاہدے میں شرکت کی۔

اور ولادت کے پچیسویں سال میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا کا مال لیکر تجارت کا دوسرا سفر شام کی طرف کیا۔ سفر سے واپسی پر اس سفر میں پیش آنے والے واقعات تجارتی نفع

اور حضور ﷺ کے اخلاق وواقعات سن کر دو مہینہ پچیس روز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نکاح کا پیغام بھیج کر آپ سے نکاح کر لیا۔ (طبقات ابن سعد)

اور ولادت کے پینتیسویں سال حضور ﷺ نے بیت اللہ شریف کی ہونے والی تیسری تعمیر کے وقت حجر اسود کو اپنے دست اقدس سے نصب فرما کر خانہ جنگی کے لیے کمربستہ قبائل قریش کے درمیان باہمی محبت والفت پیدا فرمادی اور اس کٹھن مرحلے کو بحسن وخوبی انجام تک پہونچایا۔ (سیرت ابن ہشام)

حیات طیبہ کے انتالیس سالوں میں حضور ﷺ کا کردار ایسا بے نظیر رہا کہ اپنے تو اپنے بلکہ غیروں کی زبان پر آپ ﷺ کے بارے میں تھا کہ آپ صادق اور امین ہیں۔

ولادت کے چالیسویں سال میں آپ ﷺ نے زیادہ تر وقت غار حرا میں گزارا، اور یہیں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

نبوت کے پہلے سال غار حرا میں آپ ﷺ پر سورۃ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ (شرح المواہب) نبوت کے دوسرے سال میں آپ ﷺ خفیہ تبلیغ فرماتے رہے اسی سال حضرت خدیجہ وحضرت عثمان بن عفان ودیگر نفوس قدسیہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

نبوت کے تیسرے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ نبوت کے چوتھے سال

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان دعوت دین دینے کا حکم دیا جس کی بناء پر کفار خصوصاً قریش کی طرف سے بھی کھلم کھلا دشمنی اور بغض وعداوت کا مظاہرہ ہونے لگا اور اسی سال ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ولادت ہوئی۔

نبوت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف پہلی اور دوسری ہجرت ہوئی۔ نبوت کے ساتویں سال مقاطعۂ قریش کا واقعہ پیش آیا، آپ علیہ السلام کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے۔

نبوت کے آٹھویں سال مشرکین مکہ کے مطالبہ پر شق قمر کا بے مثال معجزہ رونما ہوا۔ نبوت کے نویں سال بھی شعب ابی طالب میں ہی محصور رہے۔

نبوت کے دسویں سال مقاطعہ ختم ہوا-اسی سال آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا ان کے انتقال کے بعد تقریباً تین یا پانچ دن بعد حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنھا کا انتقال ہوا ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال کو "عام الحزن "قرار دیا۔ اور اسی سال واقعۂ طائف بھی پیش آیا۔

نبوت کے گیارہویں سال مدینہ سے آنے والے حجاج میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر تقریباً چھ آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نبوت کے بارھویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی، اور اسی موقع پر امت وسطی پر اوقات خمسہ کی نماز مفروض ہوئیں، اسی سال بیعت عقبۂ اولی ہوئی۔

نبوت کے تیرھویں سال بیعت عقبۂ ثانیہ ہوئی، اسی سال مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال قریش نے نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اور اسہ سال پیارے آقا ﷺ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

غزوات پر ایک نظر:

غزوۂ بدر: ۲/ ہجری میں مؤمنین و مشرکین مکہ کے درمیان میدان بدر میں سب سے پہلا غزوہ پیش آیا۔

غزوۂ احد: ۳/ ھجری شوال میں یہ غزوہ ہوا مسلمان سات سو اور کفار تین ہزار تھے۔

غزوۂ ذات الرقاع: ٤ / ھجری میں پیش آیا اسی میں آپ نے صلوۃ الخوف ادا فرمائی۔

غزوۂ احزاب: (خندق) ٥/ ھجری میں ہوا مشرکین مکہ نے قبائل عرب کا متحد محاذ بن کر حملہ کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے مدینۃ المنورہ کے گرد و نواح چھ کلو میٹر لمبی خندق کھدوائ تھی اسی لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

غزوۂ بنی المصطلق: ٦ / ھجری میں ہوا اسی میں منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا پر تہمت لگائی تھی۔ صلح حدیبیہ بھی ٦/ ھجری میں ہوئ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا اور چودہ سو صحابۂ کرام کے ساتھ روانہ ہوئے تھے کہ مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور وہیں صلح ہوئ کہ آئندہ سال عمرہ کر سکتے۔

غزوۂ خیبر: ۷/ ھجری میں پیش آیا یہ یہودیوں سے آخری غزوہ تھا اس سے قبل غزوۂ بنو نضیر اور غزوۂ بنو قریظہ میں یہودیوں کو جلاوطن اور قتل کیا گیا تھا۔

غزوۂ تبوک: ۹/ ھجری میں پیش آیا ہر قل سے مقابلہ تھا، دور کا سفر تھا، شام جانا تھا، گرمی کا زمانہ تھا اس لئے آپ نے خلاف عادت اس غزوہ کا اعلان فرمایا، چندہ کی اپیل کی، صحابۂ کرام نے دل کھول کر چندہ دیا۔ اور تیس ہزار کا عظیم الشان لشکر لیکر آپ تبوک روانہ ہوئے مگر ہر قل بھاگ گیا اور آپ مع صحابہ واپس بخیریت مدینہ تشریف لائے اس غزوہ میں بھی بہت سے اہم واقعات پیش آئے جن کی ایک تفصیل سیر کی کتابوں میں درج ہے۔

کچھ اہم واقعات:

۲/ ھجری میں ہجرت کے بعد سترہ مہینہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ ہوا۔ ۲/ ھجری میں روزہ فرض کیا گیا۔

٤/ ھجری میں شراب حرام ہوئی۔

فتح مکہ اور غزوۂ حنین ۸/ ھجری میں اسلامی تاریخ کا وہ واقعہ یعنی فتح مکہ پیش آیا جس میں پہلی بار مسلمان تعداد میں بارہ ہزار اور کفار طائف چار ہزار تھے ورنہ ہر غزوہ میں مسلمان کم اور دشمن کی تعداد دوگنا، تین گنا ہوتی تھی۔

ماخوذ از: سیرت مصطفی، الرحیق المختوم، ضیاء النبی، سیرت مصطفی ﷺ جان رحمت، افادات امام احمد رضا خان بریلوی۔

بعثت مصطفی ﷺ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم

محمد تحسین رضا نوری

مرکز الثقافة السنية، کیرلا

خالق ارض و سماء، مالک زمین و آسماں، ربِّ کائنات جل جلالہ نے حضرت انسان کو پیدا کرنے کے بعد لامحدود نعمتوں سے سرفراز فرمایا، اور اپنی عطا کردہ جملہ نعمتوں پر کبھی احسان نہیں جتایا، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک ایسی نعمت بھی عطا فرمائی جس پر خود کلام مجید میں احسان جتلا کر اُس نعمت کی عظمت و رفعت اور شان و شوکت کو اجاگر کیا، اور اس نعمت پر کیوں نہ احسان جتایا جائے ؟ یہ نعمت ایسے وقت میں عطا فرمائی گئی جس وقت انسان بصورت حیوان نظر آتے تھے، لوگوں نے انسانی تقاضوں کو بھلا کر ظلم و بربریت کو گلے لگا یا لیا تھا، ذرا ذرا سی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے، اگر کسی کا گھوڑا کسی کے آگے نکل جاتا تو پیچھے رہ جانے والے سبقت لے جانے والے کا جانی دشمن بن جاتا۔ کثرت سے بتوں کی پرستش کی جاتی تھی، مجوسی آگ کی پوجا کیا کرتے تھے، باقی دوسرے لوگوں کا بھی یہی حال تھا کوئی چاند کی پوجا کیا کرتا تھا تو کوئی سورج کی، چہار جانب اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا، بیٹیوں کو منحوس و مکروہ سمجھا جاتا تھا، اُن کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، ایسے تاریک دور میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھانے اور اس ظلم و جبر، کفر و

شرک کی تاریکی سے نکالنے کے لیے اپنے پیارے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم میں بھیج کر ہم پر احسان عظیم فرمایا، اور خود قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتب و الحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔(آل عمران، آیت:۱۶۶)

ترجمہ: بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

آمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی تھی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

ربنا و ابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک و یعلمھم الکتب و الحکمۃ و یزکیھم انک انت العزیز الحکیم۔(سورہ بقرہ، آیت:۱۲۹)

ترجمہ: اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمائے بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما الصلوۃ والسلام کی یہ دعا سید انبیاء صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم کے لیے تھی۔ خانہ کعبہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے اور توبہ واستغفار کرنے کے بعد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے یہ دعا کی کہ یارب ! اپنے حبیب، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری نسل میں ظاہر فرما اور یہ شرف ہمیں عنایت فرما۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ان دونوں بزرگوں کی نسل میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی۔ امام بغوی نے ایک حدیث روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ تعالٰی کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا حالانکہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا، میں تمہیں اپنے ابتدائے حال کی خبر دوں، میں دعائے ابراہیم ہوں، بشارت عیسیٰ ہوں، اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھی اور ان کے لیے ایک بلند نور ظاہر ہوا جس سے ملک شام کے ایوان اور محلات ان کے لیے روشن ہو گئے۔ (شرح السنۃ، کتاب الفضائل، الحدیث: ۳۵۲۰ بحوالہ تفسیر صراط الجنان)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تخلیق میں سب سے اول اور بعثت میں سب سے آخر ہیں، آپ کی تشریف آوری کا جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کی آمد کے بعد ہونا یہ بھی آپ صلّی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل میں سے ہے، آپ سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ کی ولادت کی خوش خبری دیتے ہوئے تشریف لائے، آپ کی ولادت کے بعد اب کسی نبی کا آنا محال ہے، آپ کی آمد کے ساتھ ساتھ ہی نبوت کا دروازہ بند ہو گیا، لوح محفوظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دیا گیا تھا جیسا کہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''بے شک میں اللہ تعالیٰ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا تھا جب کہ حضرت آدم اپنے خمیر میں لوٹ رہے تھے''۔ (مسند امام احمد) ایک اور روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان پورا کامل اور خوبصورت بنایا، مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی، لوگ اُس گھر میں جاتے اور اس کی خوبصورتی اور خوشنمائی سے تعجب کرتے اور تمنا کرتے کہ کس طرح یہ اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی''۔ (بُخاری شریف) پھر ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ: ''پھر میں آیا اور مجھ پر انبیاء کا اختتام ہو گیا''۔ اور مزید اُس پر فضیلت یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبوت سب سے پہلے ہی عطا فرما دی گئی تھی، ظاہراً حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا، لیکن کثیر روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں روح پھونکنے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپکو منصب نبوت پر فائز فرما دیا تھا جیسا کہ حضرت سیدنا میسرۃ الفجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کب سے نبی ہیں؟ ارشاد فرمایا: جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے''(ترمذی شریف)

ولادت مصطفیٰ ﷺ کی برکتیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے طفیل اللہ تبارک وتعالیٰ نے روئے زمین کو حضور کے لیے پاک کو صاف بنا دیا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’اور میری خاطر ساری زمین پاک کرنے والی اور سجدہ گاہ بنادی گئی۔ (صحیح مسلم) پچھلی قوموں کے لیے یہ حکم تھا کہ اگر عبادت کرنا ہو تو مخصوص مقام پر ہی عبادت کریں ،وہ لوگ اس کے علاوہ دوسری جگہ عبادت نہیں کر سکتے تھے ۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو ساری زمین زیر آب ہو گئی اور تمام زمین کو غسل دیا گیا، پھر بھی زمین پاک نہیں ہوئی کہ کہیں بھی سجدہ کیا جاسکے، لیکن سرکار کا قدم مبارک پڑنا کیا تھا کہ ساری زمین پاک ہی نہیں بلکہ آپ کی آمد کی برکت سے پاک کرنے والی بن گئی۔

اسی طرح گزشتہ قوموں کے لیے تیمم نہیں تھا، لیکن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے قدموں کی برکت سے زمین ایسی پاک ہوگئی کہ آپ کے امتی کے لئے اگر کسی وقت پانی میسر نہ ہو تو وہ مٹی سے تیمم کر کے پاکی حاصل کر سکتا ہے۔ تمام کائنات کو کفر و شرک کی نجاست، گمراہی و بے دینی کی نحوست سے پاک وصاف کر کے ایمان واسلام کے انوار سے منور کرنے کے لیے نبی مطہر صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے،آپ کی حالت شریفہ کے بارے میں خود آپ کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں: جب آپ تشریف لائے تو اس حالت میں تشریف لائے کہ آپ کے جسم مبارک پر کوئی آلائش و نامناسب چیز نہ تھی ۔ (المواہب اللدنیۃ مع حاشیہ الزرقانی)

سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالی عنہا فرماتی ہیں: ’’جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت ہوئی، تو یہ ندا دی گئی: "آپ کو زمین کے مشرقوں اور مغربوں کی سیر کراؤ" اور ایک

کہنے والے نے کہا: ''خوش ہو جاؤ، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ساری دنیا پر قبضہ کر لیا ہے، دنیا کی تمام مخلوق برضا ور غبت آپ کے قبضہ میں داخل ہو گئی''۔(الخصائص الکبری، ج ۱)

ولادت مصطفی ﷺ پر خوشی کا اظہار: حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں ولادت باسعادت کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ تمام آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دو۔ اس روز سورج کو عظیم نور پہنایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا بھر کی عورتوں کے لئے یہ مقدر کر دیا کہ وہ حضور اکرم صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے لڑکے جنیں''۔

یہ وہ نعمت کبریٰ ہے جس کے لئے خود رب کریم نے خوشیاں منانے کا حکم فرمایا ہے: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے۔(سورہ یونس، آیت ۵۸) علماء نے فرمایا کہ: ''اللہ پاک کا فضل حضور پُر نور ﷺ ہیں اور اللہ پاک کی رحمت قرآنِ کریم ہے''۔ بعض نے فرمایا: اللہ پاک کا فضل "قرآن" ہے اور رحمت حضور اقدس ﷺ ہیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا (سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی کریم ﷺ کی پیدائش پر خوشی منانا اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ ابو لہب جیسے کافر و مشرک کو بھی مرنے کے بعد اس کا اجر ملا۔ لہٰذا تو ہم سب کو چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ کی ولادت کے دن خوب خوب خوشیاں منائیں، اور ادب واحترام کے ساتھ یہ ایام گزرایں، خوب خوب عبادت کریں، ہو سکے تو روزہ رکھیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ماہ ربیع النور شریف کے فیضان سے مالا مال فرمائے، آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضور ﷺ کا منہجِ تعلیم و تربیت

محمد شارق رضا خان ازہری

متعلم جامعہ ازہر، قاہرہ مصر

علم اس امت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے،اور اس کی اہمیت سے بھلا کون واقف نہیں، کوئی شخص کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی ملک سے ہو، کسی بھی عمر کا ہو، کسی بھی مذہب سے ہو، علم کی فضیلت و اہمیت کا ماننے والا ہوتا ہے، اس کو سمجھنے والا ہوتا ہے۔ والدین نے اگرچہ تعلیم حاصل نہ بھی کی ہو لیکن وہ یہ ضرور چاہتے ہیں ہماری اولاد پڑھ لکھ جائے علم حاصل کرے۔

علم انسان کی سب سے بنیادی ضرورتوں میں سے ایک ہے لیکن اس سے قبل اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم تعلیم کس سے اور کہاں سے حاصل کر رہے ہیں کیونکہ اگر تعلیم کے ذرائع اچھے ہوں گے تو تعلیم کا نتیجہ بھی اچھا ہوگا اور اگر ذرائع خراب ہوں گے تو تعلیم کا نتیجہ بھی خراب نکلے گا، لھذا سب سے پہلے ہم امت محمدیہ کی تعلیم کا جو ماخذ و منبع ہے اس کی طرف نظر کرتے ہیں تو ہم پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سب سے پہلی وحی جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی وہ سورہ اقرا تھی جس میں آپ کو پڑھنے کا حکم دیا گیا، لھذا اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ پیغمبر اسلام کو سب سے پہلے جس چیز کا حکم ہوا وہ تعلیم ہے، مگر اس کے ساتھ ہمیں یہ

بھی سمجھنا چاہیے کہ تعلیم و تبلیغ میں وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو کہ ہمیں اپنے آقا و مولی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے ملا ہے۔

اور یہ بات تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ہمیں ہر بات کا علم، زندگی کے مسائل کا علم، اور بہت سے ایسے علوم جن کے بارے میں ہم کورا کاغذ ہوتے ہیں، حضور کی ذات سے سیکھنے کو ملتے ہیں، حضور کی زندگی بحیثیت شوہر ہو یا بحیثیت والد، بحیثیت معلم ہو یا بحیثیت تاجر وغیر ھم، ہر میدان میں حضور کی زندگی تمام انسانوں سے ممتاز نظر آتی لھذا ہمیں بھی ہر میدان میں اپنا آئیڈیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو بنانا چاہیے اللہ تبارک و تعالی قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۔

ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیرو بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

حضور ﷺ نے تعلیم و تبلیغ کے سلسلے میں مختلف مواقع پر اپنے افعال واقوال کے ذریعے امت کی رہنمائی فرمائی ہے، اور متعدد اصول وضوابط ذکر کیے ہیں جن کا لحاظ رکھنے سے ایک طرف طلبہ (خواہ چھوٹے بچے ہوں یا نوجوان اور بوڑھے) کی استعداد بڑھے گی اور علم

میں رسوخ اور پختگی حاصل ہوگی، تو دوسری طرف حق بات قبول کرنے کی صلاحیت اور اس کا برملا اظہار کرنے کا حوصلہ پیدا ہوگا۔

ہر ایک معلم کا اپنے طلبا کو پڑھانے یا سکھانے کا انداز مختلف ہوتا، اور ہر معلم کا کوئی نا کوئی معلم ضرور ہوتا ہے لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ایسی ہے کہ آپ کا کوئی معلم نہیں سوائے اللہ رب العزت کے، آپ تلمیذ الرحمن ہیں دنیا میں کسی کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا کہ کوئی آپ کو کچھ سکھائے کیونکہ آپ ﷺ نے رب قدیر سے تعلیم حاصل کی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی نے فرمایا: قلم اعلی جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اس کو نوشت خواندگی کی کیا ضرورت؟ اور جاننے کے باوجود بھی نا لکھنا یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روشن معجزہ ہے۔ (ضیاء القرآن)

اب آیئے اس طرف کچھ روشنی ڈالتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج تعلیم کیا تھا؟

اس میں سب سے پہلا نقطہ یہ آتا ہے کہ معلم تعلیم و تبلیغ کے لیے سامعین کی زبان اور لغت کا لحاظ کرے۔

سب سے ضروری یہ ہے کہ جو شخص جس قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتا، جو زبان جانتا ہو، اس سے اسی زبان میں کلام کیا جائے، مثلاً اگر مبتدی طالب علم ہے تو اس کے سامنے عام فہم الفاظ میں گفتگو ہو، اگر متوسط ہے تو کچھ خاص الفاظ میں، اور جو اعلیٰ منزل کو پہنچ چکے ان سے ان کے اعتبار سے کلام کیا جائے، لیکن ہمارے یہاں بعض مدرس حضرات خود کو ماہر گرداننے کے

لیے مبتدی طلبہ کے سامنے ایسے مشکل الفاظ کا استعمال کرتے ہیں کہ مبتدی طالب علم کے لیے اس کا معنی سمجھنا کسی پہاڑ کو سر کرنے کے مترادف ہوتا ہے، اور طلبا کو کچھ سمجھ نہیں آرہا ہوتا۔

حالانکہ حضور کی ذات تو یوں تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی اشعر کے لوگوں کو انہیں کی زبان اور لہجہ میں مخاطب کرکے فرمایا:

'لیس من امبر امصیام في امسفر۔'

ترجمہ: ''سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں۔''

کیونکہ قبیلہ اشعر کے لوگ -لام کو میم سے بدل کر پڑھتے تھے لھذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لغت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے کلام فرمایا، جبکہ قبیلۂ قریش کی لغت کے اعتبار سے "لیس البر الصیام فی السفر" ہونا چاہیے تھا، لیکن حضور نے قبیلۂ اشعر کی لغت کا خیال فرمایا۔

علامہ زرقانی تحریر فرماتے ہیں: ''لأن المصطفى يخاطب كل إنسان بلغته۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر انسان کے ساتھ اسی کی زبان میں بات فرماتے تھے۔

دوسرا نقطہ: یہ ہے کہ معلم تعلیم و تبلیغ میں سامعین کی توجہ اور دلچسپی کی رعایت کرے۔

تعلیم و تبلیغ کے بنیادی اصولوں میں ایک یہ بھی ہے کہ تعلیم دیتے وقت، اسی طرح تبلیغ کرتے وقت سامعین کی توجہ اور دلچسپی کی رعایت رکھی جائے، اور ایسے اسلوب میں ان کے سامنے اپنی بات پیش کی جائے کہ وہ اور زیادہ رغبت سے سنیں، اور پوری طرح متوجہ

رہیں، بے جا اور بے وقت انہیں تبلیغ کرنا شروع نہ کردیں کہ سامعین اکتاہٹ کا شکار ہو جائیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وعظ و نصیحت کرتے وقت اس بات کا خیال کرتے تھے کہ سامعین اکتاہٹ میں مبتلا نہ ہوں، حالانکہ مسلمانوں اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے سب سے زیادہ رغبت اور شوق والا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ارشادات سننا ہی تھا، تاہم امت کو تعلیم و تبلیغ کا صحیح نہج سکھلانے کے لیے آپ ہر روز نصیحت کرنے کے بجائے ناغے کے ساتھ وعظ فرماتے تھے، تاکہ سامعین کی رغبت باقی رہے، چنانچہ امام بخاری ور امام مسلم رضی اللہ عنہمانے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے ان کے سامنے اپنی خواہش ظاہر کی کہ کاش !آپ روزانہ ہمیں وعظ و نصیحت فرماتے ! توانہوں نے جواب دیا کہ میں یہ اس لیے نہیں کرتا کہ کہیں تم اُکتاہٹ میں مبتلا نہ ہو جاؤ، پھر فرمایا:

''إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتخولنا بالموعظة في الأيام، مخافة السآمة علينا۔ ''

یعنی ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناغہ فرما کر نصیحت کرتے تھے، تاکہ ہم اُکتاہٹ کا شکار نہ ہو جائیں۔''

تیسر انقطہ: یہ ہے کہ معلم مخاطب کی سمجھ اور صلاحیت کی رعایت رکھے۔

تعلیم و تبلیغ کا یہ بھی ایک نمایہ پہلو ہے جتنا ممکن ہو بات آسان انداز میں پیش کی جائے، اگر ضرورت محسوس ہو تو روز مرہ اور ارد گرد پیش آنے والے واقعات اور مثالوں کے ذریعے اپنا کلام آراستہ کیا جاسکتا ہے، تاکہ مخاطب کو آسانی سے بات سمجھ آسکے، حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی تعلیمات میں بھی اس بات کا پہلو نمایاں ہے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا، جسے اپنے بیٹے کے بارے میں شک وشبہ تھا، اور عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میرے یہاں ایک سیاہ لڑکا پیدا ہوا ہے (جبکہ وہ شخص خود سیاہ نہیں تھا اور بظاہر اس کے آباء واجداد میں بھی کوئی کالا نہیں تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سرخ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا ان میں کوئی سفید مائل بسیاہی بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رنگ کہاں سے آیا؟ اس نے عرض کیا: ہو سکتا ہے کسی رگ نے اسے کھینچ لیا ہو، (یعنی اس کی نسل میں کوئی اس رنگ کا ہو) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ممکن ہے تمہارے بیٹے کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہو۔

چوتھا نقطہ: اگر سامعین کو بات سمجھنے میں دشواری ہے تو ایک بات کو بار بار دھرنا جب تک سننے والے سمجھ نہ لیں چنانچہ امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا کہ " انه كان - صلى الله عليه وسلم- اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثا حتى تفهم عنه" ۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو ایک کلمہ کو تین مرتبہ ارشاد فرماتے یہاں تک کے سننے والا اس کو اچھے سے سمجھ لیتا، لھذا تعلیم و تبلیغ کے میدان میں اس بات کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے کہ بات کرتے وقت یہ خیال رکھا جائے کہ سامعین بات کو سمجھ رہے ہیں یا نہیں خصوصاً بعض مرتبہ طلبہ کو کوئی بات سمجھنا دشوار ہوتی ہے اور ایک مرتبہ میں

وہ نہیں سمجھ پاتے پس ایسے موقع پر بات کو کم سے کم تین مرتبہ دھرنا چاہیے تاکہ طلبہ اچھے سے سجھ لیں۔

پانچواں نقطہ: کلام کرتے وقت الفاظ کی ادائیگی اچھی ہونا چاہے اور کلام بہت سرعت (تیزی) کے ساتھ نہیں کرنا چاہیے بلکہ آہستہ انداز میں ہو، کیونکہ جب بات اچھے الفاظ میں، حسنِ ادا کے ساتھ کی جاتی ہے تو اس کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے، ہمیں حضور کہ سیرت سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو عمدہ الفاظ اور حسن ادا کے ساتھ کلام فرماتے اور بہت سرعت کے ساتھ کلام نہیں کرتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی" انه - صلى الله عليه وسلم -كان لا يسرد الكلام كسردكم ، ولكن إذا تكلم بكلام فصل حتى يحفظه من سمعه" ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور تم لوگوں کی طرح بہت تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں فرماتے تھے، لیکن جب کوئی بات فرماتے تو ٹھر ٹھر کر فرماتے یہاں تک کہ سننے والا اس کو حفظ (یاد) کر لیتا۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازِ تعلیم و تبلیغ کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ تھا جو بیان کیا لھذا تمام معلمین و مبلغین کو میدان تعلیم و تبلیغ میں ان تمام باتوں کا خیال کرنا چاہیے تاکہ ان کا کلام سامعین کے لیے زیادہ نفع بخش ثابت ہو۔

اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اسوۂ حسنہ پر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضور ﷺ بحیثیت والد

محمد ذاکر علیمی

جامعہ علیمیہ، جمدا شاہی

آقائے دو عالم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہمارے لیے طریق نجات و فلاح ہے۔ آپ کے اخلاق حسنہ ایسے ہیں کہ جس کے سامنے دنیا مسخر نظر آتی ہے، آقائے نعمت ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے کہ جس سے ہمارے لیے رہنمائی نہ ملتی ہو، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، چلنا، قیام و قعود، بیع، شراء و تجارت، گو کہ ہر ہر لمحہ ہمارے لیے موصل الی اللہ ہے۔ لیکن آج قوم مسلم سیرت محمدی ﷺ کو چھوڑ کر اتباع یہود کی طرف زیادہ مائل دکھائی دیتی ہے، حالاں کہ ہونا اس کا برعکس چاہیے. یعنی ہمارا ہر ایک عمل اتباع مصطفی ﷺ پر ہونا چاہیے -اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ باپ اپنی اولاد کی تربیت اس طرز پر نہیں کرتا جو طریقۂ تربیت رسول خدا ﷺ نے ہم کو خود عمل کرکے دیکھایا۔

پیارے نبی ﷺ جس طرح ایک مثالی، رہنما اور قائد ہیں ایسے ہی ایک عظیم الشان والد بھی، جس طرح دیگر اُمور کی رہنمائی فرماتے ہیں بالکل اسی طرح اولاد کی تعلیم و تربیت، ان سے پیار و محبت، غلطیوں پر تنبیہ کرنا، ان کے حقوق بھی ہمیں سکھائے، ضرورت اس بات کی ہے، کہ ہم آقائے دوجہاں ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرکے خود بھی اس پر عمل کرکے زندگی کو خوش گوار بنائیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ چنانچہ خالق ارض

وسما نے اپنے حبیب ﷺ کی زندگی اور سیرت کو ہمارے لیے نمونۂ حیات بنایا ہے۔ جیسا کہ خود پروردگار دوعالم نے اپنی کتاب لاریب فیہ میں ارشاد فرمایا:

((لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا)) ۔(پ ۲۱/سورہ الاحزاب/آیت ۲۱)

ترجمہ: بیشک تمہیں رسولُ اللہ کی سیرت / پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

یعنی ہماری ہر کامیابی کا راز مصطفی جان رحمت ﷺ کی اتباع میں ہے، اولاد کی پرورش کا طریقۂ کار، ان کے ایک ایک حقوق کی ادائیگی کیسے کی جاے، اس کے لیے ہمیں حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت کو پڑھنا ہوگا لہذا یہ مختصر سا مضمون اسی (حضور ﷺ بحیثیت والد) حوالے سے پیش کرنے کی ایک سعی پیہم ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت عطا فرماے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

آقاے نعمت ﷺ کی اولاد سے محبت: حبیبِ خدا ﷺ اپنے اہل خانہ کے ساتھ انتہائی شفقت و محبت اور پیار سے پیش آتے، ان سے محبت کرتے، نہایت احسن انداز میں ان کی تربیت کرتے۔ حضور ﷺ جیسا رحم دل، منصف مزاج، اعتدال پسند دنیا میں نہ کوئی تھا اور نہ ہی ہوگا۔ آپ کی فرط محبت بے نظیر ہے، چنانچہ حدیث مبارکہ میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ : أَنَّ الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، أَبْصَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُقَبِّلُ الْحَسَنَ، فَقَالَ: إِنَّ لِي عَشْرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ وَاحِدًا مِنْهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمْ، لَا يُرْحَمْ "۔(صحیح مسلم/باب رحمتہ ﷺ الصبان /ص ۱۵۰/ج ٦/ناشر، دار التاصیل مرکز البحوث و تنقیۃ المعلومات)

حضرت ابوہریرہ(رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس (رضی اللہ عنہ) نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو بوسہ دے رہے تھے، انھوں نے کہا: میرے دس بچے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کو کبھی بوسہ نہیں دیا، تو حبیب کبریا ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا"۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ نَاسٌ مِنْ الْأَعْرَابِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا أَتُقَبِّلُونَ صِبْيَانَكُمْ؟ فَقَالُوا نَعَمْ فَقَالُوا لَكِنَّا وَاللَّهِ مَا نُقَبِّلُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللَّهُ نَزَعَ مِنْكُمْ الرَّحْمَةَ و قَالَ ابْنُ نُمَيْرٍ مِنْ قَلْبِكَ-(صحیح مسلم/باب رحمتہ ﷺ الصبان/ص ۱۵۰ ج ٦/)

حضرت عائشہ(رضی اللہ عنھا) سے روایت ہے، کہ کچھ دیہاتی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آے اور کہنے لگے کیا آپ ﷺ اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں تو وہ دیہاتی لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم تو بچوں سے پیار نہیں کرتے، تو حبیب دو عالم ﷺ نے فرمایا: میں کیا کروں اگر اللہ عزوجل نے تمہارے اندر سے رحم کو اٹھا لیا ہے اور ابن نمیر کہتے ہیں اللہ رب العزت نے آپ کے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کروں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِلْحَسَنِ:" اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ"، قَالَ:" وَضَمَّهُ إِلَى صَدْرِهِ".(صحیح مسلم/باب فی فضائل الحسن والحسین (رض اللہ عنھما) ص۲٦۹! ج٦/)

لجپال نبی ﷺ کا اولاد کی تعلیم کا اہتمام:

رؤوف ورحیم نبی ﷺ کی سیرت کا ہر ایک پہلو مشعل راہ ہے، ان کی زیبائی کا جلوہ ہو یا ان کے اعجاز و توانائی کی بات، ہر ایک رخ کو دیکھ کر دل کی کوٹھڑی جگمگا اٹھتی ہے، ان کی ادائیں اتنیں حسین ہیں کہ دل فرط شوق میں جھوم اٹھتا ہے۔ یوں ہی اولاد کی تعلیم و تربیت کے اعتبار سے سیرت طیبہ کا ایک عظیم باب ہے، جو اسے کھولتا ہے، جنت کی سیر سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے، آقا کریم ﷺ اپنی بیٹی اور ان کی اولاد کی تعلیم کا اہتمام فرماتے، جیسا کہ حدیث مبارک سے ثابت ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، قَالَ: أَتَتْ فَاطِمَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا، فَقَالَ لَهَا قُولِي: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ، بِمِثْلِ حَدِيثِ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ. (صحیح مسلم/کتاب کتاب الذکر والدعا و الاستغفار /باب ما یقول عند النوم و المضجع /ج ٦/ص ٧٨/)

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، کہا: حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہا) مہربان نبی ﷺ کے پاس ایک خادم مانگنے کے لیے آئیں تو آپ ﷺ نے (جواب میں) ان سے کہا: "(بیٹی!) تم کہا کرو: اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے رب!" جس طرح سہیل نے اپنے والد (ابوصالح) سے روایت کی۔

حضور ﷺ نے بجائے خادم عطا کرنے کے اللہ تعالیٰ کی معرفت کے متعلق ارشاد فرمایا: جبکہ آقائے کریم ﷺ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں، اس میں امت کو بڑی نصیحت ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹی کو جہیز دینا:

شادی کے بعد گھر تیار کرنے کی ذمہ داری شوہر کی ہوتی ہے، دلہن اور اس کے گھر والوں کی نہیں، لیکن دلوں پر راج کرنے والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے وقت بھی داماد اور بیٹی کی نصرت کر کے والدین کے لیے مثال قائم کی، اس موقع پر ان کا تعاون کرنا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے، جو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشفق و مہربان ہونے پر دال ہے، اعتراض کرنے والوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:" جَهَّزَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ، وَقِرْبَةٍ، وَوِسَادَةٍ حَشْوُهَا إِذْخِرٌ".(كتاب السنن المعروف سنن الكبرى /كتاب النكاح/باب جهاز الرجل ابنته /ص٥٢٢ ج ٧/ البحوث و تنقية المعلومات دار التاصيل)

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو جہیز میں روئیں دار چادر، مشک، اذخر (گھاس) بھری ہوئی تکیہ دیا۔

بیٹی کی عائلی زندگی کو خوشگوار بنانا:

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ترین مصروفیت کے باوجود اپنی بنات کی زندگیوں کی مسرت و شادمانی کی خاطر ہر قسم کی رکاوٹ و خلجان کو دور کرنے کی ہمہ وقت سعی جمیل فرماتے رہتے-ہر قسم کی خرابی، رشتہ میں دراڑ پڑنے سے قبل ہی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو دور فرما دیتے۔ جیسا کہ آنے والی حدیث سے اظہر من الشمس ہے، لہذا سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کرنے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہیے، کہ جمال زیبائی کے پیکر کا طرز حیات ایسا دل نشین تھا جو دلوں کو

موہ لیتا، یوں ہی نہیں عرب کے صحرا نشیں آپ پر دل و جان سے شیفتہ ہوے۔ بلکہ آپ ﷺ کا نظام حیات اتنا دل آویز تھا جو دیکھتا انہی کا ہو جاتا۔

عَنْ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ:" إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، فَلَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ، فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا"، هَكَذَا قَالَ.(صحيح البخاري/كِتَاب النِّكَاحِ/باب ذب الرجل عن ابنته فى الغيرة و الإنصاف/ص ۱۰۰/ج ۷/ البحوث و تنقية المعلومات دار التاصيل)

حضرت مسور بن مخرمہ (رضی اللہ عنھم) نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، نبی کریم ﷺ ممبر پر فرما رہے تھے کہ ہشام بن مغیرہ جو ابو جہل کا باپ تھا اس کی اولاد (حارث بن ہشام اور سلم بن ہشام) نے اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کرنے کی مجھ سے اجازت مانگی ہے، لیکن میں انہیں ہر گز اجازت نہیں دوں گا یقیناً میں اس کی اجازت نہیں دوں گا ہر گز میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ البتہ اگر علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہیں (تو میں اس میں رکاوٹ نہیں بنوں گا) کیونکہ وہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے جگر کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو برا لگے وہ مجھ کو بھی برا لگتا ہے اور جس چیز سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي ابْنَ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ ، قَالَ: " اسْتُعْمِلَ عَلَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ مِنْ آلِ مَرْوَانَ، قَالَ: فَدَعَا سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ فَأَمَرَهُ أَنْ يَشْتِمَ عَلِيًّا، قَالَ: فَأَبَى سَهْلٌ، فَقَالَ لَهُ: أَمَّا إِذْ أَبَيْتَ، فَقُلْ: لَعَنَ اللَّهُ أَبَا التُّرَابِ، فَقَالَ سَهْلٌ: مَا كَانَ لِعَلِيٍّ اسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي التُّرَابِ، وَإِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ إِذَا دُعِيَ بِهَا، فَقَالَ لَهُ: أَخْبِرْنَا عَنْ قِصَّتِهِ لِمَ سُمِّيَ أَبَا تُرَابٍ، قَالَ: جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟

فَقَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي، فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لِإِنْسَانٍ انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟ فَجَاءَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ، قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ، فَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ، وَيَقُولُ: قُمْ أَبَا التُّرَابِ، قُمْ أَبَا التُّرَابِ ".(صحیح مسلم /کتاب فضائل صحابہ/باب علی ابن ابی طالب/ مرکز البحوث و تنقیۃ المعلومات دار التاصیل /ص۲۵۶ /ج ٦)

ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت کی، کہا: کہ مدینہ میں مروان کی اولاد میں سے ایک شخص حاکم ہوا تو اس نے سیدنا سہل (رضی اللہ عنہ) کو بلایا اور سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کو برا کہنے کا حکم دیا۔ سیدنا سہل (رضی اللہ عنہ) نے انکار کیا تو وہ شخص بولا کہ اگر تم انکار کرتے ہو تو کہو کہ ابو تراب پر اللہ کی لعنت ہو۔ سیدنا سہل (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کو ابو تراب سے زیادہ کوئی نام پسند نہ تھا اور وہ اس نام کے ساتھ پکارنے والے شخص سے خوش ہوتے تھے۔ وہ شخص بولا کہ اس کا قصہ بیان کرو کہ ان کا نام ابو تراب کیوں ہوا؟ سیدنا سہل (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سیدہ فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کے گھر تشریف لائے تو سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کو گھر میں نہ پایا، آپ ﷺ نے پوچھا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ وہ بولیں کہ مجھ میں اور ان میں کچھ باتیں ہوئیں اور وہ غصہ ہو کر چلے گئے اور یہاں نہیں سوے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں؟ وہ آیا اور بولا کہ یا رسول اللہ ﷺ! علی (کرم اللہ وجہ الکریم) مسجد میں سو رہے ہیں۔ تاجدار عرب و عجم ﷺ سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کے پاس تشریف لے گئے، وہ لیٹے ہوے تھے اور چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور (ان کے بدن سے) مٹی لگ گئی تھی، تو

آقا کریم ﷺ نے وہ مٹی پونچھنا شروع کی اور فرمانے لگے کہ اے ابوتراب! اٹھ۔ اے ابوتراب! اٹھ۔

حضور اکرم ﷺ بیٹی کے گھر آتے جاتے رہتے، اور آقاے کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمھارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ جاناں جہاں ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تمھارے شوہر کہاں ہیں؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوے امام علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن عینی متوفی(۸۵۵ھ)فرماتے ہیں:

قولہ :این ابن عمک ؟ أراد بہ علی بن ابی طالب، و فی الحقیقۃ ابن عم النبی ﷺ، انما اختار ھذہ العبارۃ ولم یقل:این زوجک أو این علی ؟ لانہ ﷺ فھم آنہ جری بینھما شی، فأراد استعطافھا علیہ بذکر القرابۃ النسبۃ التی بینھما- (عمدۃ القاری/ ج ٤/ص ۲۹۳/کتاب الصلوۃ/باب نوم الرجال فی المسجد /دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

گویا کہ کہ محبوب رب العالمین ﷺ کو دونوں کے درمیان پڑی چٹ پھٹ کا احساس ہو گیا تھا، اس لیے بیٹی کے قلب میں ان کے محبت کے جذبات ابھارنے کی خاطر قریبی رشتہ داری کا ذکر فرمایا- دونوں کے درمیان ہوئی ناچاقی کو ناپسند فرمایا اور اسی دم صلح کی طرف کوشاں ہوے۔

اولاد کی وفات، نبی کریم ﷺ کا صبر:

دنیا کا شدید ترین صدمہ اولاد کی جدائی ہے، اس تکلیف کو ہمارے پیارے آقا ﷺ کو متعدد بار برداشت کرنا پڑا، سواے حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنھما) کے حضور ﷺ کو تمام

اولاد کی کوفت لاحق ہوئی، لیکن امام الانبیا ﷺ نے ایسے صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا کہ ان کے علاوہ کوئی اور اس کی ہمت نہیں رکھ سکتا ہے، جیسا کہ احادیث کریمہ میں موجود ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , قَالَ:" دَخَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَبِي سَيْفٍ الْقَيْنِ، وَكَانَ ظِئْرًا لِإِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَام فَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ، ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذَلِكَ وَإِبْرَاهِيمُ يَجُودُ بِنَفْسِهِ، فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ , فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ , فَقَالَ: يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرَى، فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ"، رَوَاهُ مُوسَى، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(صحيح البخاري/كِتَاب الْجَنَائِزِ/ ص ٢٤٩/ج ٢ /بَاب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ انَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ/)

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنھم) نے بیان کیا کہ ہم مصطفی ﷺ کے ساتھ ابو سیف لوہار کے یہاں گئے۔ یہ ابراہیم (اقاے کریم ﷺ کے صاحبزادے رضی اللہ عنہ) کو دودھ پلانے والی انا کے خاوند تھے- پیارے نبی ﷺ نے ابراہیم کو گود میں لیا اور پیار کیا اور سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم ان کے یہاں پھر گئے۔ دیکھا کہ اس وقت ابراہیم (رضی اللہ عنہ) دم توڑ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف (رضی اللہ عنہ) بول پڑے کہ یارسول اللہ! اور آپ بھی لوگوں کی طرح بے صبری کرنے لگے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابن عوف! یہ بے صبری نہیں یہ تو رحمت ہے۔ پھر آپ ﷺ دوبارہ روئے اور فرمایا: آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم سے نڈھال ہے پر زبان سے ہم کہیں گے وہی جو ہمارے پروردگار کو پسند ہے اور اے ابراہیم! ہم تمہاری جدائی سے غمگیں ہیں۔ اسی

حدیث کو موسیٰ بن اسماعیل نے سلیمان بن مغیرہ سے ان سے ثابت نے اور ان سے انس (رضی اللہ عنھم) نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔

پیغمبر لاثانی ﷺ ایک عظیم الشان رہنما، قائد اعظم کی حیثیت سے اس قوم کی رہنمائی فرماتے رہے، محمد عربی ﷺ نے اپنی پوری حیات ظاہری میں اپنی امت کو معرفت الٰہی کی طرف ترغیب دلاتے رہے، آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کی طرف مکمل توجہ مرکوز فرمائی، جس طرح بچوں پر ماں باپ کی تعظیم واجب قرار دی، ان کی بے ادبی سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھنے کی تعلیم فرمائی، ایسے ہی والدین کو بھی ان کی اولاد کے حقوق سکھائے، ان سے کس درجہ محبت رکھنی چاہیے، تعلیم و تربیت کا خصوصی خیال ان پر ضروری قرار دیا آپ ﷺ نے صرف حکم نہیں فرمایا بلکہ اولاد کے ساتھ کیسا برتاؤ ہونا چاہیے خود عمل کر کے دیکھایا اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت شوہر

غلام حیدر قادری

مرکز الثقافۃ السنیۃ الاسلامیۃ کیرل

اللہ رب العزت کے نزدیک شوہر اور بیوی کا رشتہ ایک عظیم الشان رشتہ ہے اور یہی وہ مبارک رشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صورت میں اس دار گیتی میں بھیجا، اسی سے خاندان تشکیل پاتا ہے اور نئے رشتے وجود میں آتے ہیں- اور مذہب اسلام نے اس رشتہ کی بڑی اہمیت بیان کی ہے - رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود اس رشتہ کو اپنا کر اس کی فضیلت و اہمیت میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور اسی کے تعلق سے اللہ تعالیٰ قرآن بلیغ میں ارشاد فرماتا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ -(البقرۃ:۱۸۷)

ترجمہ: وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔

مذہب اسلام نے مسلمانوں کو اس رشتے کے لیے مختلف انداز میں ابھارا تو ضرور ہے مگر اس کی ایک حد بھی متعین کر دی ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت کا فرمان عالیشان ہے:

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔

تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش آئیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیبیوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو۔(ترجمہ کنزالایمان، سورۃ النساء:۳)

تمام امّت کا اس بات پر اِجماع ہے کہ ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا کسی کے لئے جائز نہیں مگر یاد رہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جتنی عورتوں سے چاہیں بیک وقت شادی فرمائیں۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اسلام قبول کیا، اس کی آٹھ بیویاں تھیں، نبی کریم ص ﷺ نے فرمایا: اِن میں سے صرف چار رکھنا۔(ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی من اسلم وعندہ نساء۔۔الخ، ۳۹۶/۲، الحدیث:۲۲۴۱)

حضور ﷺ نے کل گیارہ شادیاں کی نکاح کی ترتیب کے سلسلے میں مورخین کا قدرے اختلاف تو ہے مگر امہات المؤمنین کی تعداد کے سلسلے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے ۔سب سے پہلے حضور ﷺ نے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پچیس برس کی عمر میں نکاح فرمایا جبکہ اس وقت حضرت خدیجہ کی عمر چالیس سال تھی، مزید یہ کہ وہ دو شوہر سے بیوہ بھی ہو چکی تھی اور یہ ارادہ بھی کر چکی تھی کہ اب شادی نہیں کرونگی۔ لیکن جب اس نے حضور کی سیرت، امانت داری، سچائی اور حسن و جمال پر نگاہ ڈالی تو اپنے ارادے کی زنجیروں کو توڑ کر خود ہی حضور کو پیغام نکاح بھیجنے پر مجبور ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیغام کو جونہی اپنے چچاؤں کے سامنے پیش کیا تو سب نے پیغام نکاح کو قبول کرنے کا مشورہ دیا پھر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

مشوروں پر عمل کرتے ہوئے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمالیا۔ پھر یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی امہات المؤمنین کے ساتھ نکاح فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کل ازواج مطہرات:

جن کے اسماء مبارکہ یہ ہیں: (1) خدیجہ بنت خویلد (2) عائشہ بنت ابو بکر صدیق (3) حفصہ بنت عمر فاروق (4) ام حبیبہ بنت ابو سفیان (5) ام سلمہ بنت ابو امیہ (6) سودہ بنت زمعہ (7) زینت بنت جحش (8) میمونہ بنت حارث (9) زینت بنت خزیمہ (10) جویریہ بنت حارث (11) صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہن۔

حضور ﷺ کا ازواج مطہرات کے مابین عدل وانصاف:

اللہ رب العزت نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی، دونوں جہاں کا مالک و مختار بھی بنایا مگر پھر بھی حضور ﷺ نے بحیثیت شوہر اپنی ازواج مطہرات کے ناز و نخرے اٹھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، نہ ہی کبھی کسی کا دل دکھایا، شب باشی میں باری کا تمام ازواج مطہرات میں اور ادائے نفقہ وسکنی اور ان کے حقوق و معاملات میں ہمیشہ انصاف سے کام لیا کرتے تھے۔ لیکن محبت کے تعلق سے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے اے اللہ! یہ انصاف میرا ان چیزوں میں ہے جس میں مجھے قدرت حاصل ہے اور جن چیزوں میں مجھے مالک نہیں فرمایا ان میں تو مجھے ملامت نہ فرمانا یعنی محبت اور مجامعت میں۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی مشہور زمانہ کتاب 'مدارج النبوہ جلد دوم' میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول نقل کرتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے سلسلے میں اتنی رعایت کا پاس ولحاظ فرماتے کہ گویا یہ آپ پر واجب ہے حالانکہ یہ محض آپ کا فضل وکرم ہے۔

بشریت کی بناپر اگر کبھی ازواج مطہرات میں سے کوئی ناراض ہوتی تھی تو تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ناراضگی کو سمجھ بھی لیتے تھے اور ان کی دل جوئی بھی فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو سمجھ جاتا ہوں، حضرت عائشہ نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا: جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھاتی ہو تو محمد کے رب کی قسم کھاتی ہو، اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو حضرت ابرہیم علیہ السلام کے رب کی قسم کھاتی ہو، تو حضرت عائشہ نے عرض کی جی ہاں یارسول اللہ! ناراضگی کے وقت آپ کے نام کے بجائے ابرہیم علیہ السلام کا نام لیتی ہوں-ازواج مطہرات سے یہ محبت کا عالم تھا کہ بغیر بتائے بھی آپ ان کی ناراضگی کو سمجھ جاتے تھے۔

حضور ﷺ کا ازواج مطہرات سے محبت فرمانا:

حضور ﷺ امام الانبیاء ہونے کے باوجود بھی بحیثیت شوہر اپنی ازواج مطہرات کو سلام کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ حضور ﷺ جب اپنی ازواج مطہرات

کے پاس سے گزرتے تو ان میں سے ہر ایک کو سلام کرتے اور مزاج پرسی کرتے۔ صحیح مسلم شریف، کتاب النکاح، باب فضیلۃ اعتاقہ امتہ ثم یتزوج۔ لیکن افسوس کہ ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کو سلام کرنے میں نہایت ہی شرمندگی محسوس کرتا ہے اور اگر کوئی کرلے تو لوگ اسے جوڑو کا غلام کہنے لگتا ہے۔ یہ سب خرافات فقط تعلیم سے دوری کی بنا پر ہے، یہ حدیث پاک ہم سب کے لیے درس حیات ہے تو ہمیں چاہئے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے اپنی بیویوں کو سلام کرنا شروع کریں۔

رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شوہر اپنی ازواج مطہرات سے اتنی محبت فرمایا کرتے تھے کہ رہتی دنیا تک ان جیسی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد بھی حضور ان کو یاد فرمایا کرتے تھے اور جب بکری وغیرہ ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں کے گھر بھی گوشت پہونچایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیالے میں پانی پی رہی تھی تو تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حمیرہ! (یہ حضور کا دیا ہوا ان کا لقب تھا) میرے لئے بھی پانی بچانا؛ تو حضرت عائشہ نے پانی بچایا تو حضور نے فرمایا: تم نے پیالے میں کہاں سے منھ لگا کے پیا تو حضرت عائشہ نے نشاندہی کی تو حضور نے اسی جگہ سے اپنا دہن مبارک لگا کر پانی نوش فرمایا۔ اللہ رب العزت قرآن بلیغ میں ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا -

ترجمہ: بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

اس آیت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی ازواج کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کریں جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ فرماتے تھے۔

بیٹی کے حقوق سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں

عبد الرب رضوی ازہری

جامعہ ازہر، قاہرہ مصر

مبسملا و حامدا و مصلیا و مسلما.

الحمد للہ ہم مسلمان ہیں، اور ایک کامل مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کا نہیں احکام الٰہیہ کا پابند ہوتا ہے، اپنی خواہشات کا نہیں بلکہ دین اسلام کے اصول و قوانین کا پابند ہوتا ہے، ہر حال میں اپنے رب کی رضا پر راضی رہتا ہے، وہ اولاد کو اللہ پاک کی عظیم نعمت سمجھتا ہے، اسے معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے اللہ کی نعمت ہیں تو بیٹیاں اللہ کی رحمت، خدائے وحدہ لاشریک جسے چاہے بیٹے عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹیوں جیسی رحمت سے نوازے اور جسے چاہے بے اولاد رکھے، اس کے ہر کام میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں، ہمیں ہر حال میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔

اسلام نے بیٹی کو بڑی عظمت بخشی ہے، اس کا وقار بلند کیا ہے، اسے کئی شانیں دی ہیں؛ بیٹی اللہ کی رحمت، باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، گھر کی رونق، ماں کا سکون، بھائیوں کی لاڈلی، ننھیال اور ددھیال کی شہزادی، اپنے کفالت کرنے والوں کو جہنم کی آگ سے بچانے والی، انہیں جنت دلانے والی، فرشتوں کی طرف سے سلامتی کی دعائیں پانے کا ذریعہ، قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کا سبب، جس کی خوشنودی بروز قیامت والدین کو

محشر کی ہولناکیوں سے بچا کر خوشیاں دلائے گی، بیٹی پر خرچ کرنا صدقہ کرنے کی طرح ہے، اور اس پر شفقت کرنے والا خوف خدا سے رونے کی مثل ہے۔

دورِ جاہلیت کے عرب عورتوں کی قدر و منزلت کے ذرہ برابر بھی قائل نہ تھے، وہ ہر قسم کے انفرادی و اجتماعی حقوق سے محروم تھیں۔ اس عہدِ جاہلیت کے نظام میں عورت صرف ورثے ہی سے محروم نہیں رکھی جاتی تھی، بلکہ اس کا شمار اپنے باپ، شوہر یا بیٹے کی جائیداد میں ہوتا تھا۔ چنانچہ مال و جائیداد کی طرح اسے بھی ورثے اور ترکے میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عرب قحط سالی کے خوف یا اس خیال سے کہ لڑکیوں کا وجود ان کی ذات کے لیے باعث ننگ و عار ہے انہیں پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اپنی معصوم لڑکیوں سے انہوں نے جو ناشائستہ و ناروا سلوک اختیار کر رکھا تھا اس کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

" وَ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَى ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ {۵۸} يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَى هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾" (القران الکریم)

ترجمہ: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے، لوگوں سے چھپا پھرتا ہے اس بشارت کی برائی کے سبب، کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا، ارے بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں۔ (کنزالایمان)

دوسری آیت میں بھی کلام اللہ انہیں اس ناشائستہ فعل اور انسانیت سوز حرکت کے بدلے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ قرار دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"إِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ {٨} بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ {٩}".

ترجمہ: اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی.

سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ ان کے درمیان شادی بیاہ کی ایسی رسومات رائج تھیں کہ جن کی کوئی محکم اصل و بنیاد نہ تھی۔ وہ اپنی زوجہ کے لیے کسی معین حد کے قائل نہ تھے۔ مہر کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لیے وہ انہیں آزاد کر دیتے۔ کبھی وہ اپنی زوجہ پر بے عصمت ہونے کا الزام لگاتے تاکہ یہ بہانہ بنا کر مہر کی رقم ادا کرنے سے بچ جائیں۔ ان کا باپ اگر کسی بیوی کو طلاق دے دیتا، یا خود مر جاتا تو اس کی بیویوں سے شادی کر لینا ان کے لیے عار نہ تھا۔

جاہلیت کے دور میں بعض عربوں کا عورت کے متعلق نقطہ نظر یہ تھا کہ عورت انسانی نہیں بلکہ شیطانی مخلوق ہے ، اور اسے حقیر سمجھتے اور کہتے تھے کہ عورت کو صرف مرد کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے ،اور اس کو بولنے اور گھر سے باہر نکلنے تک کی اجازت نہ تھی،اور ان کا یہ ماننا تھا کہ وہ مرنے کے بعد جنت میں بھی داخل نہیں ہو گی کیوں کے وہ مذہبی عبادت گاہوں میں شرکت نہیں کر سکتی تھی ، حاصل یہ کہ عورت کی قدر و قیمت اُن کی نظر میں جانوروں سے بھی زیادہ بدتر تھی۔

ایسے ظلم کے عالم میں نبی رحمت ﷺ تشریف لائے، اور ان تمام مظالم کے مقابلے میں نبی کریم ﷺ نے بیٹیوں کی پیدائش پر خوشی منانے کی تلقین کی، حدیث نبوی ہے: "جس کے یہاں بیٹی پیدا ہو اور وہ نہ تو اسے کوئی تکلیف پہنچائے، نہ ہی اسے برا جانے اور نہ بیٹے کو بیٹی پر فضیلت دے تو اللہ کریم اس کو جنّت میں داخل فرمائے گا"۔ (مستدرک، 248/5، حدیث 7428)

اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس شخص پر بیٹیوں کا بوجھ آپڑے اور وہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گی۔ (مسلم، ص 1414، حدیث: 2629) ایک دوسری جگہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ پاک فرشتوں کو بھیجتا ہے جو آکر کہتے ہیں: "السلام علیکم یا اھل البیت یعنی اے گھر والوں تم پر سلامتی ہو۔" پھر فرشتے اس بچی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک کمزور جان ہے جو ایک کمزور سے پیدا ہوئی ہے، جو شخص اس کمزور جان کی پرورش کی ذمے داری لے گا، قیامت تک اللہ کریم کی مدد اس کے شاملِ حال رہے گی۔ (مجمع الزوائد، 285/8، حدیث: 13485)

حضور ﷺ نے بیٹیوں کو اللہ کی رحمت قرار دیا اور ان کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والوں کے لیے جنّت کی بشارت دی، اسلام میں بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دو یا تین بیٹیوں کی پرورش کی، اور اُن کو تعلیم دی

اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، وہ شخص جنّت میں داخل ہو گا،اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ بیٹیوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت والدین کی ذمے داری ہے،اور اس میں غفلت برتنے کی کی سخت مذمت کی گئی ہے،اسلام نے والدین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دینی اور دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم دیں تاکہ وہ ایک بہتر انسان بن سکیں، اور اولاد کی تربیت کا جو طریقہ ہمارے آقا ﷺ نے ہمیں سکھایا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اس کو فالو کریں۔حدیث شریف میں آتا ہے نبی کریم ﷺ کو اپنی اولاد کی تربیت کا اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ تہجد کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سوتے ہوئے پایا تو جگا کر تنبیہہ کرتے ہوئے فرمایا تم لوگ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے ہو۔حضرت علی نے نیند کے غالب آنے کا عذر کیا تو حضور ﷺ تعجب کرتے ہوئے واپس تشریف لائے اور سورت کہف کی وہ آیت پڑھی جس کا مطلب ہے انسان بہت بحث کرنے والا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو دین داری کا کس قدر خیال تھا کہ رات کے وقت پھر کر اپنے قریبیوں کا خیال رکھتے تھے۔اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک بات کو سمجھانے کے لیے تحمل سے کام لیا کرتے تھے اور محبت و پیار سے کسی کو اس کو غلطی پر آگاہ فرماتے تھے۔اس لیے آپ ﷺ نے صرف یہ کہہ دیا کہ انسان بات مانتا نہیں جھگڑتا ہے۔یعنی تم کے آئندہ کے لیے کوشش کرنی چاہیے تھی کہ وقت ضائع نہ ہو۔چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔میں نے پھر کبھی تہجد میں ناغہ نہیں کیا۔اور اسی طرح بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا جو طریقہ ہمیں حضور

کی سیرت سے ملتا ہے اسی طرح ہمیں بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ ہمیں پیارے نبی ﷺ کی سیرت میں اپنی تمام شہزادیوں کے ساتھ آپ کے محبت بھرے حسن سلوک کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حسن سلوک:

حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا یہ آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھی جن سے آپ حد درجہ محبت فرماتے تھے۔ یہ ابتداء اسلام میں ہی مسلمان ہو گئی تھی، اور آپ کی شادی اعلان نبوت سے قبل حضرت خدیجہ رضي الله عنها کی تجویز پر اُن کے بھانجے ابو العاص بن ربیع سے ہو گئی تھی، ابو العاص جو کہ ابتداً کفر و شرک پر اڑے رہے لیکن جب آپ کو جنگ بدر سے گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا اس بعد حضرت زینب نے حضرت خدیجہ کی طرف سے اپنی شادی پر تحفے میں ملنے والا ہار اپنے شوہر ابو العاص بن ربیع کے فدیہ کے طور پر بھجوایا، جیسے دیکھ کر آقا ﷺ کا دل بھر آیا، اور آپ ﷺ کی خواہش پر ابو العاص کو فدیہ لیے بغیر قید سے آزاد کر دیا گیا۔ اس معاہدے کے ساتھ کہ وہ حضرت زینب کو جو مسلمان تھیں مدینہ ہجرت کرنے کی اجازت دے دیں گے۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی فداء الاسیر بالمال)

حضور اکرم ﷺ کی شفقت اور حکمت کا یہ نتیجہ تھا کہ ابو العاص نے یہ وعدہ خوب نبھایا اور مکہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی، حضرت زینب حکم پر عمل کرتے ہوئے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئیں لیکن آپ کو ہجرت کے سفر میں دردناک پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اسی لیے حضور ﷺ نے آپ کے فضائل میں

یہ ارشاد فرمایا کہ "هي أفضل بناتي أصيبت فيّ "یعنی میری بیٹیوں میں وہ سب سے زیادہ فضیلت والی ہیں اس اعتبار سے کہ انہوں نے میری جانب ہجرت کرنے میں سب سے زیادہ مصیبت اٹھائی۔ نبی کریم ﷺ اپنی بیٹی کے ساتھ اپنے داماد ابو العاص کے حسن سلوک کی تعریف فرماتے تھے کہ اس نے وعدہ کے مطابق حضور کی بیٹی کو مدینے بھجوادیا۔(بُخاری کتاب ا لنکاح باب شروطا لنکاح)

اس کے بعد ابو العاص محرم ۷ھ میں مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے آئے اور حضرت زینب کے ساتھ رہنے لگے، ۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفن کے لیے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے غمزدہ حالت میں اُن کو قبر میں اتارا۔ جب حضور ﷺ قبر سے باہر نکلے تو غم کا بوجھ کچھ ہلکا تھا۔ فرمایا: میں نے زینب کی کمزوری کو یاد کر کے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! اس کی قبر کی تنگی اور غم کو ہلکا کر دے، تو اللہ نے میری دعا قبول کر لی اور اس کے لیے آسانی پیدا کر دی۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے حسن سلوک:

پیارے آقا ﷺ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح نبی کریم ﷺ نے اپنے بہت عزیز صحابی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے فرمایا اور نصیحت فرمائی کہ عثمان کا خاص خیال رکھنا، وہ اپنے اخلاق میں دیگر اصحاب کی نسبت زیادہ میرے مشابہ

ہیں ،(مجمع الزوائد و منبع الفوائد الجزء التاسع صفحہ 58، کتاب المناقب باب ماجاء في خلقه حدیث نمبر14500)

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ بیمار ہو گئیں اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان کو اپنی اہلیہ کی تیمار داری کے لیے مدینہ رہنے کی ہدایت فرمائی اور بدر میں فتح کے بعد مال غنیمت سے اُن کا بھی حصہ نکالا۔(بُخاری کتاب المغازي باب تسمیۃ من سمی اهل البدر)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، جب کچھ عرصہ ان کی کوئی خبر نہ آئی تو رسول اللہ ﷺ نے حبشہ سے آنے والے لوگوں سے فکر مندی کے ساتھ اپنی صاحبزادی اور داماد کا حال دریافت فرماتے۔ایک قریشی عورت نے آ کر بتایا کہ اس نے حضرت عثمان کے ساتھ حضرت رقیہ کو خچر پر سوار جاتے دیکھا تھا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اللہ دونوں کا حامی وناصر ہو۔(البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد 3 صفحہ 66 مکتبہ المعارف بیروت)

حضرت رقیہ کی وفات 2ھ میں ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی وفات کا بہت صدمہ تھا، حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت رقیہ کے جنازے میں رسول کریم ﷺ ان کی قبر کے پاس بیٹھے آنسو بہا رہے تھے۔(بُخاری کتاب الجنائز باب قول النبی بعد المیت بکاء اهله)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو لیکر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر آئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا قبر کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پہلو میں بیٹھ کر رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے دلاسہ دیتے ہوئے اپنے دامن سے اُن کے آنسو پونچھتے جاتے تھے۔(سنن الکبری للبیهقي كتاب الجنائز باب سياق أخبار على جواز ا لبكاء بعد الموت)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے محبت وشفقت:

صاحبزادی حضرت رقیہ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیاہ دی۔اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنی خادمہ ام ایمن سے فرمایا کہ میری بیٹی کو تیار کرواور اسے دلہن بنا کر عثمان کے پاس لے جاؤ اور اس کے آگے دف بجاتی جانا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور استفسار فرمایا کہ آپ نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ عرض کیا بہترین شوہر۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! امر واقعہ یہ ہے کہ تمہارے شوہر لوگوں میں سب سے زیادہ تمہارے جد امجد ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد ﷺ سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ 9ھ میں فوت ہوئیں۔ حضور ﷺ نے ان کا جنازہ خود پڑھایا اور قبر کے کنارے تشریف فارما ہو کر اپنی موجودگی میں تدفین کارروائی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر تجہیز و تکفین کا انتظام اپنی نگرانی میں کروایا۔ حضرت لیلیٰ الثقفیہ روایت کرتی ہیں کہ میں اُن عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اُن کی وفات پر غسل دیا۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کے لیے کپڑا دیا پھر قمیص، اوڑھنی اور اوپر کا کپڑا۔اس کے بعد اُن کو ایک اور

کپڑے میں لپیٹ دیا گیا۔ وہ بتاتی ہیں تھی کہ غسل کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ حضور کے پاس سارے کپڑے تھے اور آپ ﷺ باری باری ہمیں پکڑا رہے تھے۔ حضرت ابو امامہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا قبر میں رکھی گئی تو رسول خدا نے یہ آیت تلاوت کی "منها خلقنا کم وفیها نعید کم ومنها نخرجکم تارۃ اخری "یعنی اس سے ہی ہم نے تم کو پیدا کیا اور اس میں تمہیں دوبارہ لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری دفعہ نکلیں گے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت وشفقت:

نبی کریم ﷺ اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزھراء سے بھی شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بھری تربیت کا اثر تھا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں بھی وہی رنگ جلکتا نظر آتا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ "میں نے چال ڈھال، طور طریقہ اور گفتگو میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت فاطمہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو حضور ﷺ کھڑے ہو جاتے تھے۔ محبت سے اُن کا ہاتھ تھام لیتے تھے اور اسے بوسہ دیتے اور اپنے ساتھ بٹھاتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ بھی احترام میں کھڑی ہو جاتیں۔ آپ ﷺ کا ہاتھ تھام کر اُسے بوسہ دیتیں اور اپنے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھاتیں۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی القیام)

حضور ﷺ مدینہ سے رخصت ہوتے وقت سب سے آخر میں اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مل کر جاتے اور واپسی پر مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہ سے ہی آکر ملتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔ آپ ﷺ کی نیک تربیت کا اثر تھا کہ آپ کی بیٹیاں بغیر کہے بات سمجھ جاتی تھیں۔ مثلاً ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ دروازے پر ایک رنگین پردہ لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت فاطمہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا اندازہ ہوا تو فوراً دونوں چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا اور کہا کہ میں نے انہیں راہ خدا میں دے دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور اپنی بچی کے حق میں خیر و برکت کی دعا مانگی اور ان اشیاء کو بیچ کر قیمت اصحاب صفہ کے اخراجات میں ڈال دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت فاطمہ زہرا کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ اگر کبھی کسی گھریلو معاملے میں دونوں کے درمیان ناراضگی پیدا ہو جاتی تو دونوں میں صلح کروا دیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ (حضور کی بیماری میں) آئیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہ کو خوش آمدید کہا اور اپنے دائیں طرف یا شاید بائیں طرف بٹھایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کو بھی رسول کریم ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر حضرت فاطمہ کی زبان سے جو جذباتی فقرے نکلے، ان سے بھی آپ ﷺ سے گہری محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس سے کہا ہائے افسوس میرے ابّا! ہم آپ ﷺ کی وفات کا افسوس کس سے کریں۔ کیا جبرائیل علیہ السلام سے، ہائے افسوس ہمارے ابّا! آپ ﷺ اپنے رب کے کتنے قریب تھے۔ ہائے افسوس! ہمارے ابّا ہمیں داغ جدائی دے کر جنھوں نے جنّت الفردوس میں گھر بنالیا۔ ہائے افسوس! میرے ابّا! جنھوں نے اپنے رب کے بلاوے پر لبّیک کہا۔ اور اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام نے بیٹیوں کو ایک بلند مقام اور عزت عطا کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اقوال سے یہ تعلیم دی کہ بیٹیاں اللہ کی رحمت ہیں۔ اور اُن کے ساتھ محبت، عزت، اور انصاف کا برتاؤ کرنا والدین کا فرض ہے۔ بیٹیوں کی پیدائش پر خوشی منانا۔ ان کی تعلیم وتربیت کی ذمے داری نبھانا، اور اُن کے حقوق کا تحفظ کرنا اسلام کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے۔ والدین کے لیے یہ نصیحت ہے کہ وہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ اور اُن کے حقوق کا احترام کریں اور انہیں معاشرتی زندگی میں عزت اور وقار کا مقام دیں۔

اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو اپنی زندگیوں میں اپنانے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہماری بیٹیاں ایک محفوظ اور عزت دار زندگی گزار سکیں۔ آمین

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصائص اور معجزات خاصہ

محمد عادل رضا قادری حنفی

جامعہ حنفیہ رضویہ، پرتاپ گڑھ

خصائص سے مراد وہ اوصاف و کمالات اور امور و معاملات ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں اور کسی دوسرے میں نہ پائے جائیں۔

اللہ رب العزت نے لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنے بے شمار مقبول بندوں کو بھیجا جن کو نبوت ورسالت کے منصب عالیہ سے سرفراز فرمایا اور انہیں بلند کمالات و معجزات بھی عطا فرمائے۔ اللہ رب العزت نے جن بندوں کو منصب ہدایت کے لئے منتخب فرمایا انہیں دو چیزیں عطا فرمائیں (۱) مثلیت (۲) فضیلت۔

مثلیت اس لیے کہ اللہ کے نیک بندوں کے کمالات و معجزات کو دیکھ کر لوگ انہیں خدا نہیں سمجھیں۔ فضیلت اس لیے کہ لباس بشری (انسانی لباس) میں دیکھ کر لوگ انہیں اپنی طرح نہ سمجھیں۔

اللہ پاک نے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایسے بے شمار اوصاف اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں جو کسی اور کے حصّے میں نہیں آئیں، آپ کو ان تمام خصائص و امتیازات کا جامع بنایا گیا جو دیگر انبیاء کرام علیہم السلام میں فرداً فرداً موجود تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ان کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور (یعنی آپ کے فضائل میں کوئی کمی نہیں اور

خصائص اس قدر ہیں کہ شمار میں نہیں آ سکتے)، بلکہ حقیقۃً ہر کمال ہر فضل ہر خوبی میں عُموماً اِطلاقاً انھیں تمام انبیاء مرسلین و خلق اللہ اجمعین (اللہ پاک کی تمام مخلوق) پر تفضیلِ تام و عام مطلق (یعنی ہر طرح کی برتری حاصل) ہے کہ جو کسی کو ملا وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا وہ کسی کو نہ ملا۔ (فتاویٰ رضویہ، ج22، ص614)

حضور نبی اکرم ﷺ ربِّ کائنات کی تخلیقِ اوّل ہیں۔ اور اس کائنات کو آپ صلی اللہ علیہ والہ کی تخلیق کے لئے آراستہ و پیراستہ کیا گیا ہے، جیسا کی قرآن مقدس میں اللہ کا فرمان ہے

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (الحدید۔ ۳)

ترجمہ: وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔

سیّد المرسلین ﷺ اوّل بھی ہیں، آخر بھی ہیں، ظاہر بھی ہیں، باطن بھی ہیں اور سب کچھ جانتے بھی ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اولیت اس بنا پر ہے کہ موجودات کی تخلیق میں سب سے اول ہیں (جیسا کہ) حضرت جابر رضی اللہ تعالی سے روایت ہے، تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے جابر! رضی اللہ عنہ، "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ نُوْرِیْ" اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو وجود بخشا۔

حضور ﷺ مرتبۂ نبوت میں بھی سب سے اول ہیں۔ حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک شخص نے سیّد المرسلین ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کب سے نبی ہیں؟ تاجدارِ رسالت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم عَلَیْہِ

الصَّلٰوۃ وَالسَّلَام روح اور جسم کے درمیان تھے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ، کتاب المغازی، ماجاء فی مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۸/۴۳۸، الحدیث:۱)

حضرت سیّدُنا آدم صَفِیُ اللہ علٰی نَبِیِّنَا وعلیہ الصَّلٰوۃ وَالسَّلام اور دیگر تمام مخلوقات سرکارِ دوعالم ﷺ کے لیے ہی پیدا کئے گئے۔(مواہب لدنیہ مع شرح زرقانی، ج1، ص86)

زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے

چنین وچناں تمہارے لیے بنے دوجہاں تمہارے لیے

اس اَوّلِیَّت کے باوجود بِعثَت ورسالت میں آپ ﷺ سب سے آخر ہیں۔ کتابوں میں آپ پر نازل ہونے والی کتاب قرآنِ کریم اور آپ کا دین سب سے آخری ہے۔(تفسیر صراط الجنان)

سرکارِ مدینہ ﷺ کا مبارک نام عرش کے پائے پر، ہر ایک آسمان پر، جنّت کے درختوں اور مَحلّات پر، حُوروں کے سینوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا گیا ہے۔(خصائص کبریٰ، ج1، ص12)

اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کے علاوہ دیگر انبیائے کرام علیہم السَّلام کو کسی خاص قوم کی طرف بھیجا لیکن حضورِ اقدس ﷺ تمام مخلوق انسان وجِنَّات بلکہ فرشتوں، حیوانات اور جَمادات (یعنی بے جان چیزوں) سب کی طرف مَبْعُوث (بھیجے) ہوئے۔ جس طرح انسان کے ذمہ حضور (ﷺ) کی اِطاعت فرض ہے یوں ہی ہر مخلوق پر حضور ﷺ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔(بہارِ شریعت، 1/61)

نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اہم خصوصیت جسم مبارک کی خوشبو ہے جس راستے سے گزر جاتے وہ راستہ معطر ہو جاتا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: میں نے کسی ایسی مشک اور خوشبوؤں کے کسی مرکب کو نہیں سونگھا جو رسول اللہ ﷺ (کے جسم) کی خوشبو سے بڑھ کر ہو۔'

اب رسول اللہ ﷺ کے پسینہ مبارک کا اعجاز سینے محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی لڑکی کو اس کے شوہر کے گھر بھیجنے کے لئے خوشبو کی جستجو کی مگر اسے نہ مل سکی تو اس نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے لئے عرض حال کیا کہ حضور کوئی خوشبو عطا فرمائیں مگر کوئی خوشبو موجود نہ تھی تو حضور ﷺ نے شیشی طلب فرمائی تاکہ اس میں خوشبو ڈال دی جائے پھر آپ ﷺ نے اپنے جسم اقدس سے پسینہ لے کر اس شیشی کو بھر دیا اور فرمایا جا کر اسے اپنی لڑکی کے جسم پر مل دو۔ جب اسے ملا گیا تو سارا مدینہ اس کی خوشبو سے مہک گیا تھا اور اس گھر کا نام ہی "بیت المطیبین" خوشبو کا گھر رکھ دیا۔

فقیہ العصر مفتی محمد امین صاحب زید مجدہ نقل فرماتے ہیں: غزالی زماں رازی دوراں فرید العصر محقق اعظم حضرت عاشق رسول علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ و علیہ نے نے جامعہ رضویہ کے جلسہ عام میں اس واقعہ کو بیان فرمایا اور ساتھ ہی فرمایا کہ "اس لڑکی کو تاحیات پھر کبھی خوشبو لگانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی بلکہ اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کے جسم سے بھی خوشبو مہکتی تھی. (خصائص مصطفی)

حضور ﷺ جب گفتگو فرماتے تو مبارک دانتوں کی کھڑکیوں سے نور کی شُعائیں بر آمد ہوتیں۔(مشکٰوۃ المصابیح،362/2،حدیث:5797)یہ نور دن میں بھی دیکھا جاتا تھا مگر رات میں تو دانتوں کے اس نور سے سُوئی تلاش کرلی جاتی تھی۔(مراٰۃ المناجیح،62/8)

اللہ رب العزت نے اپنے خاص بندوں کو زمانے، حالات کے اعتبار کے معجزات کی دولت سے مالا مال فرمایا۔ حضرت موسی علیہ السلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت جادو کا شہرہ تھا، تو اللہ نے موسی علیہ السلام کو ید بیضاء کے معجزہ سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے وقت میں علم طب و حکمت کا شہرہ تھا تو اللہ رب العزت حضرت عیسی علیہ السلام کو معجزہ دم عطا فرمایا۔ الغرض اللہ نے ہر نبی کو اپنے اپنے زمانے میں یکتا و یگانہ علوم سے نوازا نیز جہاں انہیں باطنی کمالات عطا فرمائے یونہی انہیں ظاہری حسن کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی میں یہ وصف تھا کہ وہ اپنے زمانے میں کمالات باطنی اور حسن ظاہری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ختم نبوت کا تاج اپنے محبوب ﷺ کے سر پر سجا کر بھیجا تو جو جو کمالات و معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمائے وہ سب اپنے محبوبکو بدرجہ اتم عطا فرمائے۔

حسن یوسف، دم عیسی، ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کمالات و معجزات دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اشارے سے ڈوبا ہوا سورج مطلع آسمان پر واپس لوٹ آیا۔۔ آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سنگریزوں کو قوت گویائی مل گئی۔ کھجور کے تنے کو قوت نطق مل گئی۔ درخت زمین کا سینہ چاک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر جھک گئے۔ (خصائص مصطفیٰ)

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خصائص (میں) سے معراج ہے، کہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک اور وہاں سے ساتوں آسمان اور کُرسی و عرش تک، بلکہ بالائے عرش (یعنی عرش سے بھی اوپر) رات کے ایک خفیف (معمولی) حصّہ میں مع جسم تشریف لے گئے۔ (بہار شریعت، ج 1، ص 67، تکمیل الایمان، ص 128، حدیقہ ندیہ، ج 1، ص 272)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بڑے خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں:

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے

ربّ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ کریم کی زیارت کی اور بغیر کسی واسطے کے اس کا کلام سنا۔ (مسند احمد، ج 1، ص 611، حدیث: 2580، بہار شریعت، ج 1، ص 687)

کس کو دیکھا یہ موسیٰ سے پوچھے کوئی

آنکھ والوں کی ہمت پہ لاکھوں سلام

مکی زندگی میں تصلب فی الدین کے جلوے

حامد رضا نشتر تلشی پوری

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کتب سیر و تواریخ بلکہ احادیث طیبہ و آیات قرآنیہ اس پر شاہد عدل ہیں کہ ہر دور و ہر زمانے میں جتنی اذیتیں اور تکلیفیں اہل ایمان کو دی گئی ہیں اتنی کسی کو نہیں ۔ اہل اسلام و مسلمان کو ستانے والوں نے صرف اور صرف اس لیے انہیں اپنی قسم قسم کی صعوبتوں کا نشانہ بنایا کہ اسلام کے متوالے دین بر حق سے رو گردانی اختیار کر لیں اور کفر و شرک کے دلدل میں جا گریں۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل محبتِ خدا اور سول صلی اللہ علیہ وسلم سے پُر تھے ان جیالوں نے کبھی بھی اسلام سے بر گشتہ ہونے کا خیال بھی اپنے قریب بھٹکنے نہ دیا بلکہ پوری قوت ایمانی و محبت واطاعت رحمانی میں سر شار ہو کر ہر ظلم وزیادتی کا سامنا کیا، یہاں تک کہ ان کی زندگیاں تمام ہو گئیں،اور وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

حضرات ! فقط انبیا و مر سلین علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کو ہی نہیں ستایا گیا بلکہ حضراتِ انبیا و مر سلین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کو بھی ان کے دور کے ظالم و سر کش لوگوں نے دشنام طرازی، بیہودہ گوئی ، قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا لیکن حضرات انبیا و مر سلین علیہم السلام کی مقدس جماعت میں بھی جتنی تکلیفیں امام الانبیا والمر سلین پیغمبر اعظم ﷺ کو دی گئی ہیں اتنی کسی کو نہیں دی گئیں۔اسی لیے پیغمبر اعظم ﷺ نے ارشاد فرمایا ’’مجھے اللہ کی راہ میں

جتنا ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا اور جتنی اذیت اللہ کی راہ میں مجھے دی گئی اتنی اذیت کسی کو نہیں دی گئی مجھ پر تیس دن رات بھی گزرے ہیں کہ میرے اور بلال رضی اللہ عنہ کے لیے ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے کوئی جاندار کھاتا البتہ اتنی تھوڑی چیز تھی جسے بلال رضی اللہ عنہ کی بغل چھپا لیتی تھی۔(مشکوٰۃ باب فضل الفقرا صفحہ ٤٤٨)

اسی لیے ہر کلمہ گو کے لیے نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے ہر ہر گوشے کا مطالعہ کرنا لازم و ضروری ہے تاکہ اسے زندگی گزارنے کا شعور حاصل ہو کیونکہ حضور ﷺ کی سیرت مبارک ہی ایک کلمہ گو کے لیے مشعل راہ ہے اور تاریک زندگی کے لیے روشنی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورہ احزاب آیت ۲۱)

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

عام طور پر حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے مکی زندگی، مدنی زندگی جس میں مکی زندگی ترپین سال پر محیط ہے اور دس سال مدنی زندگی پر مشتمل ہے مکی زندگی کی ترپین سال عمر میں سے چالیس سال کا وقت نکالتے ہیں تو باقی تیرہ سال بچتے ہیں جو کہ اہل مکہ کی جانب سے دی ہئے گ ہئے مصائب و آلام سے پر ہیں آپ نے بچپن سے چالیس سال کا عرصہ اہلِ مکہ کے کے درمیان پیار و محبت عدل و انصاف اور راست گوئی و حق گوئی و ہمدردی کے ساتھ گزارا۔ جس کی وجہ سے اہل مکہ آپ کو صادق و امین کے لقب سے

پکارتے تھے، آپ کے پاس اپنا ساز و سامان بطور امانت رکھا کرتے، آپ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے، آپ کو اپنے معاملات میں حکم مقرر کرتے، آپ جو فیصلہ کر دیتے لوگ اس کو بہ سر و چشم قبول کرتے لیکن جب چالیس سال کی عمر میں اللہ تبارک و تعالی نے آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا تو وہی اہل مکہ جو اعلان نبوت سے پہلے آپ کو صادق وامین کے لقب سے پکارا کرتے تھے اب وہی اعلان نبوت کے بعد آپ کے جانی دشمن بن گئے اور آپ کے درپے آزار ہو گئے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کر کے اہل مکہ سے کسی سلطنت و حکومت کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ انہیں صرف معبودان باطل کے آگے سر جھکانے کے بجائے ایک اللہ وحدہ لاشریک کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کو اسلام کی تعلیمات اپنانے کی دعوت دی تھی لیکن آپ کو اعلان نبوت کے بعد اہل مکہ نے اپنے لعن طعن کا نشانہ بنایا آپ کی حیات طیبہ کو آپ پر تنگ کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور دعوتِ حق کی نشر واشاعت سے روکنے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اپنائی یں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نہ دعوتِ حق دینے سے پیچھے ہٹے اور نہ ہی آپ کے قدمہائے نازنین میں ذرہ برابر لغزش آئی بلکہ دین متین پر پوری طاقت و قوت اور حوصلہ و عزم کے ساتھ قائم رہے اور ان سنگین حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ کچھ چیزیں یہاں ذکر کرتا ہوں جن سے آپ کو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ رسولِ محتشم ﷺ کو راہ حق میں کتنے گزند پہنچائے گئے۔

جب حضور اکرم ﷺ پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے اس ارشادِ الٰہی کی تعمیل کے لیے حضور ﷺ صفا

پہاڑی پر کھڑے ہو کر اہلِ عرب کو دعوت دی ہر طرف سے لوگ آئے اور حضور اقدس ﷺ نے ان سے اپنے صدق وامانت کی شہادتیں لینے کے بعد فرمایا "اِنِّی لَکُم نَذِیرٌ بَینَ یَدِی عَذَابٌ شَدِید"(اے لوگو ! بے شک میں تمہیں پیش آنے والے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہوں) اس پر ابو لہب نے کہا تم تباہ ہو جاؤ کیا تم نے ہمیں اس ل ئے جمع کیا تھا؟(خزائن العرفان تحت سورہ لہب)

نبی اکرم ﷺ جہاں بھی لوگوں کو اللہ تعالی کی وحدانیت کی دعوت دینے تشریف لے جاتے وہاں وہاں ابو لہب خبیث بد باطن جاتا اور لوگوں کو دعوتِ حق قبول نہ کرنے کی گہار لگاتا جیسا کہ صاحب ''مواہب اللدنیہ'' علامہ احمد بن محمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسند امام احمد بن حنبل'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی رحمت ﷺ لوگوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور فرماتے اے لوگو ! اللہ تبارک وتعالی تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ_ اور ابو لہب پیچھے پیچھے جاتا اور کہتا اے لوگو ! یہ شخص تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دو۔(مواہب اللدنیہ جزاول صفحہ ۱۴۵)

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو صرف راہ حق میں زبانی طور پر ہی اذیت نہیں دی گئی بلکہ ظالم خبیث عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے ساتھ بد تمیزی اور اپنی سرکشی کی حد اس وقت کر دی جب اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک میں اپنا کپڑا ڈال کر اس کو گھوٹنے کی ناپاک جسارت کی جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث ہے:

حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ "نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شانہ مبارک سے پکڑا اور اپنا کپڑا آپ کی گردن میں ڈال کر سخت گھونٹا اتنے میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اسے کاندھے سے پکڑ کر دور ہٹایا اور فرمایا: اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ۔ یعنی کیا تم ایسے شخص کو اس لیے شہید کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ (بخاری شریف جلد اول صفحہ نمبر ۵۴۴ باب ذکر مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و أصحابہ من المشرکین بمکۃ)

بلکہ عقبہ ابن ابی معیط ہی جو کہ بے حیائی اور خبثِ باطنی میں سب سے آگے تھا وہ حضور ﷺ کا پڑوسی بھی تھا وہ غلاظت اکٹھی کرتا اور حضور ﷺ کے دروازے پر پھینک دیا کرتا تھا حضور ﷺ نے فرمایا: " کُنتُ بَینَ شَرِّ جَارَینِ اَبِی لَھَبٍ وَ عُقبَہ بن اَبِی مُعَیط اِن کَانَا لَیَاتِیَانِی بِالفُرُوثِ فَیَطرِحَانِھاَ عَلیٰ بَابِی "۔ یعنی میں دو شریر پڑوسیوں میں گھرا ہوا تھا ایک طرف ابو لہب اور دوسری طرف عقبہ بن ابی مُعَیط تھا وہ دونوں لید اور گوبر اکٹھا کر کے لے آتے اور میرے دروازے پر پھینک دیا کرتے۔ (ضیا النبی جلد ۲ دو صفحہ ۳۰۷ بحوالہ زینی دحلان جلد ۱)

انفرادی طور پر تکلیف دینے کے ساتھ مکہ میں ابو لہب کی قیادت میں ایک ۲۵ رکنی کمیٹی بنائی گئی جس میں آپ کو اور آپ کے صحابہ کو تکالیف دینے کے لیے نئے نئے طریقے معلوم کیے جاتے۔ (سیرت رسول اکرم صفحہ ۱۵)

امام قسطلانی نے مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۳۷۲ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی جو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ''ابوجہل نے کہا کیا محمد ﷺ تمہارے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتے ہیں؟ (سجدہ کرتے ہیں) کہا ہاں ابوجہل نے کہا لات و عزیٰ کی قسم اگر میں اسے اس طرح کرتے دیکھوں تو اس کی گردن کچل ڈالوں گا اور اس کا چہرہ خاک آلود کردوں گا پھر وہ آیا (نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے) اس کا مقصد آپ کی گردن مبارک کو کچلنا تھا قریش نے دیکھا کہ وہ پیچھے کی طرف ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں کے ذریعے بچنا چاہتا ہے پوچھا گیا تجھے کیا ہوا اس نے کہا میرے اور اس کے درمیان آگ کی خندق ہے، پرندوں کے بازو ہیں، اور خوفناک منظر ہے نبی ﷺ نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے اور اللہ تعالی قران میں نازل فرمایا: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ (العلق: ٦) ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرتا ہے۔ (مواہب اللدنیہ صفحہ ١٤٦)

مذکورہ بالا حدیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ کفار و مشرکین نے کسی بھی طرح کی تکلیف واذیت آپ کو دینے سے گریز نہ کیا پھر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم ناز میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی اور نہ آپ دین کی دعوت و تبلیغ سے سرِ مو پھرے۔

دین کے معاملے میں قریش نے بھی آپ کو اذیت پہنچائی اور آپ کو شاعر، کاہن، اور مجنون کہا ان میں سے بعض آپ کے سر انور پر مٹی ڈالتے اور آپ کے دروازے پر خون پھینکتے جس کا ذکر اللہ تعالی نے قرآن حکیم میں کیا:

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝

یعنی کفار مکہ نے حضور ﷺ سے کہا اے وہ جن پر قرآن اترا بے شک تم مجنون ہو۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (سورہ انبیاء:۵)

ترجمہ: بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں بلکہ ان کی گڑھت (گھڑی ہوئی چیز) ہے بلکہ یہ شاعر ہیں تو ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں جیسے اگلے بھیجے گئے تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ کے بارے میں ایمان لانے کے تعلق سے مایوسی نظر آئی تو آپ دعوت و تبلیغ کے لیے طائف تشریف لے گ ئے لیکن وہاں کے باشندوں نے بجائے حق قبول کرنے کے آپ کے پیچھے اوباش قسم کے لچے لفنے لونڈوں کو لگا دیا تاکہ وہ آپ پر پتھر پھینک کر سخت تکلیف پہنچائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے حضورِ اقدس ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ کیا جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت کوئی دن آپ پر گزرا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اے عائشہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ دن میرے لئے جنگ احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا جب میں نے طائف میں وہاں کے ایک سردار ''عبد یالیل'' کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے دعوت اسلام کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور اہل طائف نے مجھ پر پتھراؤ کیا۔ میں اس رنج و غم میں سر جھکائے چلتا رہا یہاں تک کہ مقام ''قرن الثعالب'' میں پہنچ کر میرے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ وہاں پہنچ کر جب میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بدلی مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے اس بادل میں سے حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام نے مجھے آواز دی اور کہا کہ للہ تعالیٰ نے

آپ کی قوم کا قول اور ان کا جواب سن لیا اور اب آپ کی خدمت میں پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے ۔تاکہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے۔ حضور ﷺ کا بیان ہے کہ پہاڑوں کا فرشتہ مجھے سلام کر کے عرض کرنے لگا کہ اے محمد! (ﷺ) اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کا قول اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے وہ سب کچھ سن لیا ہے اور مجھ کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں اور میں آپ کا حکم بجالاؤں۔اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ''اخشبین''(ابو قبیس اور قعیقعان) دونوں پہاڑوں کو ان کفار پر اُلٹ دوں تو میں اُلٹ دیتا ہوں۔ یہ سن کر حضور رحمت عالم ﷺ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے اپنے ایسے بندوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کریں گے اور شرک نہیں کریں گے۔(بخاری باب جلد اصفحہ ۴۵۸)

حضور ﷺ پر صرف بھدّے جملے ہی نہیں کسے گئے ، اور نہ ہی فقط آپ پر پتھر برسائے گئے بلکہ خاندانی طور پر آپ کا بائکاٹ بھی کیا گیا تاکہ آپ اللہ کا دین لوگوں تک پہنچانے سے باز آجائیں۔ جیسا کہ سید شجاعت علی قادری رحمہ اللہ نے لکھا کہ جب قریش نے دیکھا کہ کوئی حربہ محمد ﷺ کو تبلیغ دین سے باز نہ رکھ سکا تو قبائل عرب نے متفقہ طور پر طے کیا کہ بنو ہاشم (حضور کے خاندان) سے مقاطعہ (سوشل بائی یکاٹ) کر لیا جائے۔ان سے خرید و فروخت نہ کرو، شادی بیاہ نہ کرو اور کسی قسم کا تعلق نہ رکھو۔یہ معاہدہ ایک چرمی تھیلے میں بند کر کے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اور آپ کے قبیلے والے مجبور ہو گئے کہ گھر بار چھوڑ کر پہاڑ کی گھاٹی (شعب) میں محصور (بند) ہو جائیں تین سال تک مسلمان اسی

گھاٹی میں رہے رزق کی تنگی کا یہ حال تھا کہ بھوک سے بنو ہاشم کے بچے روتے تو گھاٹی سے باہر آواز سنائی دیتی۔(سیرت رسول اکرم صفحہ ۲۰)

مذکورہ تمام طرح کی آیات واحادیث وواقعات پڑھنے کے بعد ایک مسلمان کو یہ سوچنا چاہیے کہ جب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی تکلیفیں دی گئی ہیں تو ہم پر اگر کبھی کوئی بلا یا مصیبت آجائے یا کوئی ظالم و جابر ہمیں اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے ظلم و ستم کا نشانہ بنائے تو ہمارے پاؤں راہ حق سے ذرا بھی نہ ہٹیں بلکہ ہماری ایمانی طاقت و قوت مزید مستحکم ہو لیکن آج جب ہم درپیش مسائل کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ لوگ تھوڑی سی تکلیف کے باعث یا غیروں سے مفاد کی خاطر اپنے دین و مذہب کا سودا کر بیٹھتے ہیں جو کہ قابل افسوس بھی ہے اور عذاب رب کو دعوت بھی دینا ہے۔اس لیے حالات کیسے بھی بد تر ہوں مسلمان کو چاہیے کہ ان کا مقابلہ کریں اور مضبوطی سے اپنے ایمان پر ڈٹے رہیں نہ کہ ایمان بیچ کر رب کے غضب کا شکار ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اس وقت ان مسلمانوں کے لیے قابل تقلید ہے جن پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جارہے ہیں۔ خاص طور پر ہندی مسلمانوں کے لیے کیونکہ یہ سچ ہے کہ آج ہندی مسلمانوں کے ایمان کو لوٹنے کی ناپاک جسارت کی جارہی ہے، مسلمانوں کی عزت و عصمت کو تار تار کیا جارہا ہے،ان کی عبادت گاہیں منہدم کی جارہی ہیں، دکان و مکان مسمار کیے جارہے ہیں، ملک میں دہشت پھیلانے والے مخصوص جماعت کے غنڈے، مسلم نوجوان، بچے بوڑھوں کو ایک مخصوص نعرہ لگانے کے لیے اکساتے ہیں نعرہ نہ لگانے پر انھیں خوب زدو کوب کرتے ہیں، بسااوقات وہ نہتے مسلمان

اپنی جان بھی کھو دیتے ہیں۔ حد تو یہ کہ یہاں کی حکومت بھی مخصوص نظریات پر کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔اس طرح ملک کی ظالم حکومت مسلمانوں کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے لیکن ایسے پر فتن ماحول میں مسلمانوں کو بالکل بھی گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی خوفزدہ ہونے کی بلکہ ظالموں کے سامنے سربلند رہ کر اعلا کلمۃ الحق بلند کرنے کی ضرورت ہے ان شاءاللہ یہ کفروشرک کے گھٹاٹوپ بادل چھٹیں گے کیونکہ رب نے فرمادیا:وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ(سورہ آل عمران ۱۳۹)

ترجمہ :اور تم ہمت نہ ہارو اور غم نہ کھاؤ،اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی غالب آؤ گے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـٴُـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ(سورہ الصف:۸)

ترجمہ: چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا پڑے بُرا مانیں کافر۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ(سورہ الصف۹)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے بُرا مانیں مشرک۔

۲۱ اگست ۲۰۲۴ء ۱۵ صفر المظفر ۱۴۴۶ھ

سرور کائنات ﷺ اور امن عالم

غلام محی الدین وافی علیمی

جامعہ علیمیہ، جمدا شاہی

اللہ رب العزت نے جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق فرشتوں سے مشورہ فرمایا تو فرشتوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا اے میرے مولا کیا تو ایسی مخلوق کو اس زمین پر بھیجے گا جو اس میں فتنہ وفساد برپا کریں گے اور خون خرابہ کریں گے لیکن اللہ رب العزت نے انہیں یہ بتادیا کہ ہم اس زمین میں اپنا نائب بھیجیں گے جو صحیح اور غلط کا علم رکھیں گے اور لوگوں کی اصلاح کریں گے لوگوں کو امن و شانتی کا درس دیں گے اور انہیں ایک دوسرے کی معاونت سکھائیں گے لہذا اسی سلسلۂ نبوت کی اخری کڑی پیارے اقا حضور نور مجسم سرور عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف ہمیں نماز اور روزے، زکوۃ اور حج وغیرہ دیگر امور دینیہ کا طریقہ سکھایا بلکہ ہمیں زندگی گزارنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی ایک معاشرے کو خوبصورت اور پر امن بنانے میں جن امور کا لحاظ ضروری تھا ان سب کا درس دیا یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی بعثت ہوئی تو پورے عالم میں ظلم و زیادتی جبر و استبداد کا بازار گرم تھا اور ہر امیر غریب پر ہر حاکم اپنے محکوم پر ہر آقا اپنے غلام پر اور ہر وہ جس کے پاس طاقتیں تھیں حکومتیں تھیں اپنے محکومین پر ظالم کی حیثیت رکھتا تھا ان سب کے

سد باب کے لیے اللہ رب العزت نے اپنے نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خاک دانۂ گیتی پر مبعوث فرمایا۔

لہذا میرا مطمح نظر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امن وشانتی اور بھائی چارگی کا کیا درس دیا ہے اس پر کچھ روشنی ڈالوں۔چونکہ آپ اخری نبی ہیں اور آپ کو جو شریعت دی گئی وہ شریعت بھی آفاقی شریعت ہے اس وجہ سے آپ کو اللہ رب العزت نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا نہ یہ کہ صرف مسلمانوں اور ایمان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا چنانچہ اللہ رب العزت قران پاک میں ارشاد فرماتا ہے:وما ارسلناك الا رحمة للعالمين

یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

اس آیت کے تحت علامہ نعیم الدین مراد آبادی،صاحب تفسیر خزائن العرفان لکھتے ہیں"کوئی ہو جن ہو یا انس مومن ہو یا کافر،حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے فرمایا کہ حضور کا رحمت ہونا عام ہے ایمان والے کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا مومن کے لیے تو آپ دنیا و اخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لیے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیے گئے تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھتے ہیں"کہ اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہے کہ ہم نے اپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامہ کاملہ عامہ شاملہ جامعہ محیطہ بہ جمیع مقیدات رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ ووجودیہ وشہودیہ وغیر ذالک تمام

جہانوں کے لیے عالم ارواح ہوں یا عالم اجسام ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالموں کے لیے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہو" (تفسیر خزائن العرفان)

آپ جب حضور پاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی زندگی کے شب وروز کا مطالعہ کریں گے تو دیکھیں گے کہ یقینا آپ بچوں کے لیے بھی رحمت ہیں بڑوں کے لیے بھی رحمت ہیں مسلمانوں کے لیے بھی رحمت ہیں غیر مسلموں کے لیے بھی رحمت ہیں حتی کہ آپ ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سبھوں کے لیے رحمت ہیں اور کیوں نہ ہو کہ آپ کا وجود ہی اہل جہان کے لیے ذریعۂ امان ہے اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ-وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ(۳۳)

ترجمہ: اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں "جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کے واقعات بیان فرمائے تو نضر بن حارث نے کہا: اگر میں چاہوں تو اس جیسے واقعات کہہ سکتا ہوں۔ حضرت عثمان بن مظعون رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نضر بن حارث سے

فرمایا: تو اللہ تعالیٰ سے ڈر، رسولِ خدا ﷺ حق بات ارشاد فرماتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی سچی بات کہتا ہوں۔ حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: نبی اکرم "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ "کہتے ہیں۔ نضر بن حارث نے کہا: میں بھی "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کہتا ہوں لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ پھر نضر بن حارث نے دعا مانگی کہ اے اللہ! جو قرآن محمد (ﷺ) لائے ہیں اگر یہ ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ نضر بن حارث وہ بدبخت کافر ہے کہ جس کی مذمت میں قرآنِ پاک کی دس آیات نازل ہوئیں۔

لہذا اس آیت پر اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کا اس دنیا میں ہونا صرف مسلمانوں کے لیے ہی باعث امن و امان نہیں بلکہ کفار کے لیے بھی ذریعہ امان ہے کیونکہ حضور ﷺ کی وجہ سے مسلمان تو مسلمان کفار بھی عام عذاب سے محفوظ ہو رہے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ہزارہا مظالم کے باوجود بھی فتح مکہ پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ پیغمبر امن و سلامتی ہیں نہ یہ کے دور حاضر کے حکمرانوں کی طرح صرف کلامی امن و سلامتی کے داعی بن کر لوگوں کے سامنے سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ میدان عمل میں بھی وہ کردار ادا کیا جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے مشعل راہ کا کام کرے گا چنانچہ آپ نے کفار کے ساتھ بھی ایسے معاہدے کیے جن میں بظاہر ایسا لگتا تھا کہ اس میں تو مسلمانوں کا صرف نقصان ہی نقصان ہے لیکن اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کفار سے معاہدہ کیا اور امن و سلامتی کا درس دیا چنانچہ واقعہ صلح حدیبیہ اس کا بین ثبوت ہے کہ اس میں

بھی بعض ایسے شرائط تھے جو سراسر اہل ایمان اور مسلمانوں کے خلاف نظر آتے تھے اس کے باوجود آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کفار سے معاہدہ کیا۔ اور فرمایا: انا عبدالله و رسوله لن اخالف امره ولن يضيعني. یعنی ''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں ہرگز اس کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا''یعنی میں یہ معاہدہ برقرار رکھوں گا اگرچہ بظاہر ان کے شرائط میرے خلاف ہیں لیکن میں معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میرا رب مجھے ضرور فتحیاب فرمائے گا اور ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: يا أيُّها النّاسُ، إنَّما أنا رَحْمَةٌ مُهْداةٌ۔ اے لوگو میں تو صرف تحفۂ رحمت ہوں۔

حضور پاک ﷺ کی رحمت و شفقت بچوں کے ساتھ جس طرح تھی یہ بھی نہ یہ کہ صرف اہل ایمان اور مسلمانوں کے لیے قابل عمل ہے بلکہ ہر انسانیت پسند شخص کے لیے قابل تقلید ہے چنانچہ بچوں سے آپ کے شفقت فرمانے کا انداز کچھ اس طرح تھا کہ آپ انہیں پاس بلاتے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، دعائیں دیتے اور ان کی اخلاقی تربیت فرماتے۔ سواری پر ساتھ سوار فرماتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے زیادہ بچوں پر مہربان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میرا چھوٹا بھائی پیدا ہوا تو میں اسے حضور کی بارگاہ میں لایا، آپ ﷺ نے نہایت شفقت و محبت سے اپنی گود میں لیا، پھر کھجور منگوائی، اپنے مبارک منہ میں چبا کر نرم کیا، جب خوب نرم ہوگئی تو میرے ننھے بھائی کے منہ میں رکھ دی۔ وہ اسے چوسنے لگا۔ آپ ﷺ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: انصار کی کھجور سے

محبت دیکھو! آپ نے اس کے چہرے پر ہاتھ مبارک پھیرا اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے مریضوں کی عیادت کی بھی بہت فضائل بیان فرمائے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں: مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو گیا تو واپس ہونے تک جنت کے پھل چننے میں رہا۔ (مسلم، ص1065، حدیث: 6551)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کیلئے صبح کو جائے تو شام تک اور شام کو جائے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کیلئے استغفار کرتے ہیں اور اس کیلئے جنت میں ایک باغ ہوگا۔ (ترمذی، ج2، ص290، حدیث: 971)

یہ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو انسانوں کے ساتھ درس مساوات اور رحمت و شفقت دیا ہے ان کا تذکرہ تھا چونکہ آپ رحمت اللعالمین ہیں اس وجہ سے آپ کی رحمت نہ یہ کہ صرف انسانوں جناتوں فرشتوں یا ان مخلوق کے ساتھ خاص ہے جو ذوی العقول ہیں بلکہ آپ کی شان کریمی اور آپ کی رحمت انسانوں، جناتو کے ساتھ ساتھ غیر ذوی العقول کے لیے بھی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، " يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، ارْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" , لَمْ يَقُلْ مُسَدَّدٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، وَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رحم کرنے والوں پر رحمن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا“۔

اب اپنے جانوروں کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ نے حسن سلوک کے کیا آداب سکھائے ہیں ان کو ملاحظہ فرمایئے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ فَدَخَلَتْ فِيهَا النَّارَ لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا، وَلَا سَقَتْهَا إِذْ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ ".

"(بنی اسرائیل کی) ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا تھا جسے اس نے قید کر رکھا تھا جس سے وہ بلی مر گئی تھی اور اس کی سزا میں وہ عورت دوزخ میں گئی۔ جب وہ عورت بلی کو باندھے ہوئے تھی تو اس نے اسے کھانے کے لیے کوئی چیز نہ دی، نہ پینے کے لیے اور نہ اس نے بلی کو چھوڑا ہی کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی۔"

دوسری جگہ حدیث پاک میں ہے عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:" نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ ". عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو باہم لڑانے سے منع فرمایا۔

یہ تو جانوروں کے متعلق احادیث کریمہ تھیں اب آیئے حضور ﷺ نے درختوں کے متعلق کیا فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلمان نے کوئی پودا لگایا تو اس درخت سے جو کھایا گیا وہ اس کیلئے صدقہ ہے، جو اس سے چوری کیا گیا وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہے، اور جو درندوں نے کھایا وہ بھی اس کیلئے صدقہ ہے، اور کوئی اسے کم نہیں کرے گا، مگر وہ اس پودا لگانے والے کیلئے صدقے کا ثواب ہوگا۔ (مسلم) ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ ام مبشر انصاری کے پاس ان کے باغ میں

تشریف لے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ باغ مسلمان نے لگایا ہے یا کافر نے؟ انہوں نے کہا: مسلمانوں نے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان پودا لگائے یا کھیتی کاشت کرے اور اس سے انسان یا جانور یا کوئی بھی کھائے تو اس کیلئے صدقے کا ثواب ہوگا۔ (بخاری، مسلم) حضرت جابر بن عبداللہ ہی کی ایک روایت میں اس طرح ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ پودا لگانے والا اور کھیتی کرنے والا کوئی ایسا مسلمان نہیں کہ اس سے درندے یا پرندے یا اور کوئی کھائے، مگر یہ کہ اس میں اس لگانے والے کے لئے ثواب ہوگا۔ (مسلم) ایک اور حدیث میں شجرکاری کی ترغیب دیتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص پودا لگائے گا اس کیلئے اس پودے سے نکلنے والے پھل کے بہ قدر ثواب لکھا جائے گا۔ (مسند احمد)

الحاصل یہ کہ وہ پیغمبر امن و سلامتی جس نے انسان ہی نہیں بلکہ بلکہ جانوروں حتی کہ درختوں کے ساتھ بھی امن و سلامتی کا معاملہ رکھنے کا درس دیا ہے بھلا وہ کیسے کسی مسلمان کو دہشت گردی یا بدامنی پھیلانے کا درس دے سکتا ہے لہذا جو لوگ مذہب اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ خون خرابہ اور دہشت گردی کا درس دیتا ہے انہیں اپنے عقل پر ماتم کرنی چاہیے نیز یہ کہ ہمیں ان کے سامنے اسلام کی اصل صورت پیش کرنی چاہیے تاکہ دنیا میں امن و سلامتی کا قیام ہو سکے اللہ رب العزت ہمیں اسوۂ رسول پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ نبی الامین

تعلیمات نبوی ﷺ کے عالمگیر تہذیبی اثرات

عبدالسبحان بزمی مصباحی

مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج بستی یوپی

ہمارے پیارے اور آخری نبی ﷺ نے اپنی پوری حیات مبارکہ ہر محاذ پر باشندگان عرب؛ بلکہ پورے عالم انسانیت کی رہنمائی میں بسر فرمائی، انہیں ظلمت کدہ سے نکال کر خانۂ نور و رحمت میں منتقل فرمایا، جینے کا سلیقہ سکھایا، عملی طور پر (Practically) آپسی معاملات نباہنے کا انداز دیا، تنزلی وانحطاط سے دور رہنے اور ترقیاتی منازل طے کرنا کا شعور بخشا اور حضارت و تہذیب (Culture) اپنانے کی فکر اجاگر فرمائی کہ کس طرح قوم کو جرائم و معاصی کے چنگل سے آزاد کروا کر حسنات کا خوگر بنایا جاے، جہالت و غلاظت کے اندھیروں سے کس طرح باہر نکال کر تعلیم و تربیت کے ضیابار مکانات میں بھیجا جاے اور پنجۂ سفاکیت و بربریت کو مروڑ کر کس طرح ایوان عدل وانصاف مہیا کرایا جاے یعنی نبی کریم ﷺ نے ہر شعبہ جاتِ زندگی میں اپنی سیرت اور تعلیمات کی جلوہ ریزیوں سے اہم کردار پیش فرمایا اور آپ ﷺ کی ذات ستودہ نے عالم انسانیت کی تہذیب و تمدن پر وہ انمٹ نقش چھوڑے؛ جن پر چل کر جملہ انسانیت اپنی کامیابی کا لوہا منوا سکتی ہے، ہر فیلڈ میں اپنا علمِ عروج وارتقا نصب کر سکتی ہے اور ایک مہذب قوم کی بآسانی تشکیل دے سکتی ہے. (جیسا کہ آگے ملاحظہ فرمائیں گے)

تہذیب و تمدن، حضارت و کلچر، اور ثقافت (Civilization) وغیرہ کا مفہوم و مدعا تقریباً یہی ہے۔

یقیناً تعلیمات مصطفوی ﷺ میں حد درجہ اثر پذیری کا عنصر غالب ہے، واللہ جس طرح بے مثال کارگردگی رحمت عالم ﷺ کی ذات مبارکہ نے پیش کی ہے اس طرح عالم میں کسی نے نہیں کی۔ اور پورے عالم پر کسی شخصیت نے اتنے گہرے اثرات مرتب نہیں کیے جتنے آپ ﷺ کی تعلیمات نے کیے ہیں، آج بھی آپ ﷺ کے قولی و عملی پیغام کی عطر بیزیوں سے مشام عالم معطر و مشکبار ہے اور دنیا کی تہذبی و تمدنی زندگی کا نقشہ بدل کر اخلاق و مروت، حسن معاشرت کی فضا قائم کی ہوئی ہے یہ سب آپ ﷺ کی تہذیبی و تمدنی حیات و تعلیمات کی رہین منت ہے۔ ہماری گردنیں تادم حیات آپ کے جملہ احسانات تلے خم رہیں گی۔

تعلیمات نبوی ﷺ کے تہذیبی اثرات کا مختصر جائزہ ذیل میں پیش کرتے ہیں:

عقائد باطلہ کی یکسر تردید: پوری دنیا میں شرک وبت پرستی عام تھی، عرب کے لوگ مالک حقیقی کی عبادت سے صرف نظر کر کے آگ، پتھر، مٹی، سورج، چاند، درخت، دریا وغیرہ کو خدا مانتے تھے، خالق حقیقی کا تصور فقدان تھا، مصر و یونان میں دیویوں اور عقول عشرہ کو خدا کے مقابل لائق عبادت گرادانے جاتے تھے۔ عرب میں ہی ہاتھ کے بنے ہوے بتوں اور مورتوں کو حاجت روا سمجھ کر پرستش کی جاتی تھی۔ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اسی کی بدولت بارش ہوتی ہے، بیماروں کو شفا ملتی ہے، جنگ میں فتحیابی نصیب ہوتی ہے، ہم جو تمنائیں کرتے ہیں یہی پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔ حج کے موقع سے اطراف واکناف سے آنے والے کو بھی اہل عرب اس پر

ابھارتے۔ اس طرح ہر قبیلے میں بت پرستی داخل ہوگئی یہاں تک کہ اللہ کے گھر خانۂ کعبہ میں بت موجود تھے اور دیواروں پر بت کی تصاویر بنادی گئیں تھی۔

شرک کی نحوست میں گھر گھر ملوث ہوگیا ہر کسی کا من پسند اپنا اپنا الگ بت تھا جہالت و نادانی پر تف کہیے کہ سفر میں پتھر کے بت ساتھ لے جانے کی پریشانی کی وجہ سے، کھانے پینے کی چیزوں مثلاً: ستو وغیرہ کو اپنا خدا بنا کر رکھ لیتے انہیں پوجتے اور جب حاجت ہوتی تو اسے گھول کر پی جاتے اور اسے ذرا بھی عار نہیں سمجھتے۔ میں تو یہی کہنا چاہوں گا کہ: یہ کیسا خدا ہے جس کو ہضم کیا جارہا ہے۔ رسول گرامی وقار ﷺ نے اپنی مقدس تعلیمات سے باطل عقائد و نظریات یکسر مسترد کر دیا، انسان کو اس کے اصل معبود حقیقی سے روشناس کروا کر باطل خداؤں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی اور انہیں توہم و بت پرستی کے دلدل سے نکال کر عقائد صحیحہ کے چشمے سے نہلا کر خدائے وحدہ کی وحدانیت کی عقیدت کا لباس زیب تن کروایا اور ایک خدا کی عبادت کی دعوت دی۔

یاد رہے توحید ہی اسلامی تہذیب و ثقافت کا پہلا عنصر ترکیبی ہے، توحید ہی وہ ایمانی قوت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکا اس کے بنا عالمگیر تہذیب وارتقا کا تصور ایسے ہی جیسے بغیر بنیاد کے مکان۔ قرآن نے الوہیت و وحدانیت میں شرکت کی نفی کی: "**قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ**" (اخلاص) ترجمہ: تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی۔

فکر آخرت: جس کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ دنیا ہی اس کے لیے سب کچھ ہے؛ تو وہ کمایا، کھایا پیا، عیش و مستی میں دن گزارے، بے خوف و خطر فسق و فجور کو اپنایا، من کے مطابق زندگی گزر بسر کی اور آخر میں لقمۂ اجل بن گیا اور سمجھ لیا کہ بعد میں نہ کوئی حساب و کتاب، اور نہ کسی طرح کا سوال و جواب. اس طرح کی فکر کے بعد آدمی لاپرواہ ہو جاتا ہے بڑے سے بڑے گناہ کے بعد بھی اسے عار محسوس نہیں ہوتا بلکہ جو جتنا بڑا مجرم اتنا ہی بڑا آدمی کہلانے کا مجاز مانا جاتا ہے اور وہ اس پر خود کو فخریہ بہادروں میں شمار کرے گا لیکن اگر جواب دہی اور بادشاہ حقیقی کے یہاں پیش ہونے کا تصور پیدا ہو تو آدمی کا ایک ایک قدم احتیاط کے ساتھ اٹھتا ہے. بداعمالی سے کنارہ ہو کر نیک امور کی جانب روے التفات مبذول کرتا ہے اور بادشاہ کی بارگاہ میں پیشی سے قبل اس کی خوشنودی کا سامان جمع کرتا ہے مگر بعثت نبوی ﷺ سے قبل لوگوں میں فکر آخرت مفقود تھی، ہر کوئی اپنی خواہشات نفس کے موافق زندگی بسر کرنے کا عادی و پابند تھا.

پورے عالم بالخصوص عرب کا یہی حال تھا در یتیم میں اسی کیفیت کی عکاسی یوں کی گی ہے:

"اب رہے اخلاق تو ایک خدا شناس قوم جو آخرت کے محاسبہ اور عقوبت کے تصور سے یکسر عاری اور نابلد ہو، اس کو بداخلاق اور معصیت آلود ہونا ہی چاہیے۔ جہاں اس خیال پر زندگی کی بنیاد ہو کہ کھایا پیا، چین کے مزے اُڑائے اور جب وقت آیا مر گئے۔ پھر نہ کوئی زندگی ہے اور نہ کسی قسم کی بازپرس۔ بس جو کچھ ہے یہی عالم کون و فساد اور دنیائے رنگ و بو کی زندگی ہے۔ وہاں پاکبازی اور نکوکاری کی جگہ فسق و فجور اور سیاہ کاریاں پائی جائیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے"۔(ص:64،ط:فروری2009)

حضور اکرم ﷺ نے لوگوں کو اپنی سیرت و تعلیم کے ذریعے فکر آخرت کا تحفہ دیا اور خود کا محاسبہ کرنے کی تقلیین فرمائی۔ایک جگہ یہ تاکید فرمائی کہ: ''كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ'' کہ دنیا میں تم ایک اجنبی یا مسافر کی طرح زندگی گزارو"۔(صحیح البخاری)

یہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے اور آخرت دار جزا ہے لہذا انسان کو چاہیے کی اپنی تمام تر توجہ آخرت کی جانب پھیر دے اور اخروی زندگی کو کامیاب و نایاب بنانے کے لیے سعی تام کرے۔

صاف ستھرائی: جہالت کی بنا پر انسان طہارت و پاکیزگی کے طریقۂ کار سے جاہل، ناپاکی و گندگی میں رہنے کے خوگر ہو گیے تھے صاف ستھرائی پر خاص توجہ نہیں دیتے۔رحمت عالم ﷺ نے عالم انسانیت کو طہارت حاصل کرنے اور نجاست و پلیدگی سے اجتناب کرنے کا درس اور اسے جزو ایمان قرار دیا"الطہارۃ شطر الایمان"۔پاک رہنے کی خوبیاں بتائی کہ اللہ رب العزت پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے"ان اللہ یحب المتطھرین"۔آج دنیا میں صاف صفائی پر زور دیا جا رہا ہے یہ بھی تعلیمات نبوی کی ہی دین ہے۔

علمی فضا کا قیام: رحمت عالم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل علمی انحطاط کا دور تھا، جہالت کا شور تھا لوگ علم کے معنیٔ اصلی سے ناواقف تھے۔وہ جہالت ہی تھی جو لوگوں کو مالک و خالق حقیقی کی عرفان و معرفت سے دور لا کر معبودان باطل کی جانب مائل کی تھی، وہ جہالت ہی تھی جو لوگوں کو فسق و فجور، عریانی و فحاشی، شراب نوشی، قمار بازی، نسبی تفاخر، مالی تقابل، آپسی خونریزی، عصمت دری، جرائم و معاصی، قبائلی رنجش اور نسلی منافرت کی طرف ڈھکیل رہی تھی۔ایسے ماحول میں آپ کی جلوہ گری ہوئی اور پہلی وحی جو آپ ﷺ پر نازل ہوئی وہ علم و

آگہی سے متعلق تھی، اسی کی روشنی سے مذکورہ صفات و عادات شنیعہ کا خاتمہ ہوا، جہالت کی تاریکی کافور ہوئی چہار جانب تعلیم کی فضا قائم ہوئی. آپ ﷺ فروغ علم کے لیے درس و تدریس کی جگہ متعین کی جہاں صحابہ کرام جوق در جوق حاضر بارگاہ ہو کر علمی فیضان سے آشنا ہوتے اور "وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" کے علمی چشمے سے سیراب ہوتے. مرد ہو کہ زن ہر ایک کو ضروری علم سے واقفیت لازم قرار دی گیی "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" پھر اس علمی مشن کو خلفاے راشدین، صحابہ کرام نے عرب کے اطراف و اکناف میں عام کیا پھر تابعین و تبع تابعین پھر اولیا و اقطاب و اغواث پھر علما و حفاظ نے گلشن علم کی خوشبو ملک در ملک پھیلائی.

عصر حاضر میں جو ہر جا علم و تعلیم کی سنہری فضا قائم ہے، علمی ترقی آسمان سے باتیں کر رہی ہے اور تعلیم یافتگان عرش پر کمندیں ڈال رہے ہیں یہ سب اس کی طرف مشیر ہے کہ یہ علم کی ساری چمک دمک رحمت عالم ﷺ کی مرہون منت ہے.

دور غلامی کا خاتمہ: طلوع اسلام سے قبل غلامی کا دور عروج پر تھا، غلاموں سے بڑی بے رحمی کے ساتھ پیش آنے کا ماحول تھا، غلاموں کو طرح طرح کے اذیت ناک و ہولناک مرحلوں سے گزرنا پڑتا تھا جس پر انسانیت شرمسار تھی. غلاموں سے طاقت سے زیادہ کام لیا جاتا تھا. کھان پان شکم سیری تک نہیں دیا جاتا تھا. بالکل نرے گھٹیا اور ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، غلاموں کو سماج سے باہر رکھا جاتا اور ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا. اس حوالے سے ایک اقتباس دیکھیے جس کو ڈاکٹر غلام زرقانی نے اپنی ایک تصنیف میں نقل فرمایا ہے:

"Most slaves were completely detached from the societies in which they had grown up, or else they were home-bred: neither group had any real hope ofachieving better conditions except withtheir owners' support.Besides, slaves were utterly dependent ontheir masters. The sanctions for disobedience or dishonesty were horrifying. It was in principle illegal to kill a slave, deliberately at least, although who would bring a case against a master? But slaves might be routinely confined, beaten, even tortured, and there were many lesser sanctions." (Rome, An Empire's Story: Greg Woolf, page:89-1)

"زیادہ تر غلام معاشرہ سے الگ تھلگ کسی دور افتادہ علاقے میں رہتے ، یا پھر کسی گھر میں پرورش پاتے ؛ بہر کیف دونوں طرح کے غلام اپنے آقاؤں کی مرضی کے بغیر حالات میں بہتری کی کوئی امید نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے آقاؤں پر پوری طرح منحصر تھے۔کسی طرح کی بھی حکم عدولی یا بے ایمانی کی سزانہایت ہی ہولناک ہوتی تھی۔ گو کہ بنیادی طور پر، کم از کم جان بوجھ کر کسی غلام کی جان لینا غیر قانونی تھا، تاہم کس کی جرات تھی کہ آقا کے خلاف مقدمہ کرے؟ اس لیے غلام عام طور پر قید کیے جاتے ، مارے جاتے اور اذیت ناک مراحل سے گزرتے، اور علاوہ ازیں، اس سے کم کئی طرح کی دوسری سزائیں انہیں دی جاتی تھیں۔"

اس رسم غلامی کی راہ کو اسلام کی جانب سے مسدود کرنے کے لیے بہترین اقدامات اٹھائے گیے اور نتیجہ خیز کامیابی بھی نصیب ہوئی. پیارے نبی ﷺ نے غلاموں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے پر زور دیا انہیں محبت و شفقت کی نگاہ سے دیکھنے کا حکم صادر فرمایا اور لوگوں آزاد کرنے کے لیے ابھارا" من اعتق رقبۃ مومنۃ، اعتق اللہ بکل ارب منھا ارباً منہ من النار" (مسلم)"جو ایک مسلم غلام آزاد کرے، تو اللہ تعالیٰ غلام کے ہر عضو کے بدلے میں اس کے ایک عضو کو جہنم سے آزاد فرمائے گا_"

"وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ- وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ"(النساء،4،آیت:36)

ترجمہ:" اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے."

یہاں تک کہ اسلام نے مختلف کفارات میں غلاموں کی آزادی کا نظریہ پیش فرمایا؛ جو غلاموں کے ساتھ بے پناہ ہمدردی ورحم دلی، الفت و محبت کی طرف مضاف ہے. اس کے علاوہ بھی اسلام نے غلاموں کے ساتھ سلوک و برتاؤ کا طریقہ بتایا ہے کہ ان کے ساتھ زیادتی نہ کرو بلکہ شفقت کرو، کھانے پینے پہننے میں تفریق نہ کرو بلکہ جو کھاؤ وہ کھلاؤ، جو پہنو وہ پہناؤ، طاقت سے زیادہ کام نہ لو، آرام کا وقت دو، غلام آزاد کرو وغیرہ.

مذکورہ بالا عبارات پر طائرانہ نگاہ دوڑاییے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ اسلام ہی وہ پاکیزہ اور انصاف وعدل کا پیکر مذہب ہے جس نے غلاموں کی ہمدردی کی بات کی ان پر ہونے والے جبر واستبداد کا کھل کارد کیا اور ان کے حقوق سے لوگوں کو روشناس کرایا۔

جنگ وجدل پر پابندی: کسی بھی قوم میں امن واماں کا ماحول اور تہذیبی نظام اس وقت برقرار رہتا ہے جب تک اس میں بے جا جنگ و جدل، دنگا و فساد کا تصور نہ ہو، آپسی لڑائی، باہمی اختلافات اور قبائلی عصبیت کا غلغلہ نہ ہو ورنہ بصورت دیگر نتائج بالکلیہ منفی ظاہر ہوں گے یہی حال عرب کے لوگوں کو تھا کہ معمولی سی بات پر باہم دست و گریباں ہو جاتے، قتل وغارت خونریزی تک کی نوبت آجاتی؛ یہاں تک اگر کسی کا اونٹ دوسرے کھیت میں چلا جاتا تو خون کے پیاسے ہو جاتے طرفین کی طرف سے تلواریں ہوا میں لہرائی جاتی تھی۔ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں اگر کسی کا گھوڑا قبل از وقت تھوڑا آگے بڑھ جاتا تو تواتنی سی بات سے جنگ کا آغاز ہو جاتا پھر یہ جنگیں انتقام کے لیے مسلسل نسل در نسل جاری رہتا اور برسہا برس ایک دوسرے کے جانی دشمن بنے رہتے۔ ایک دوسرے کا خون بہانا ان کے لیے بازیچۂ اطفال کے مترادف تھا، نسل و نسب کے تفاخر پر مشتمل اشعار سن کر آپسی لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ دریتیم میں ہے:

"خونریزی اور قتل وغارت گری عربوں کے لیے ایک کھیل تھی۔ انسانی جان کی ان کی نگاہ میں کوئی قدر وقیمت ہی نہ رہی تھی۔ جیسے درختوں کی ڈالیاں اور گھاس کی پتیاں کاٹ دی اور مسل دی جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح وہ شقاوت پیشہ بھی ایک دوسرے کا گلا کاٹ کر کسی طرح کی

پشیمانی اور ندامت و افسوس کا اظہار نہ کرتے تھے۔ انسانوں کے جسم ان کے نزدیک مٹی کے گھروندے تھے کہ جب چاہا توڑ پھوڑ ڈالا۔" (مرجع سابق)

رسول اکرم ﷺ نے اس طرح کے جنگوں کا سد باب فرمایا اور امن قائم رکھنے کی ہدایت کی، انسانی جان کی اہمیت سے آگاہ فرمایا: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ۔" (سنن نسائی) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے انسان امن میں رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور مال محفوظ رہیں۔" ایک جگہ اور فرمایا: "لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا۔" وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بچوں سے رحم کا سلوک نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے حق کا لحاظ نہیں کرتا۔"

اس طرح رحمت عالم ﷺ نے امن، اپسی میل جول اور ایک دوسرے کی امداد رسی، مشکلات میں بازپرسی کا درس عظیم دیا ایسا کیوں نہ کہ آپ ﷺ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" کے حامل و منبع تھے. اور امن کے حوالے سے اسلام کا وطیرہ یہی ہے کہ انسانوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے.

درس مساوات: عرب و دیگر ممالک میں ذات برادری، حسب و نسب اور قبیلے کی بنیاد پر ایک دوسرے پر فخریہ رعب جمایا جاتا تھا یہاں تک کہ بڑے قبیلے کے افراد سے کوئی جرم ہوتا تو مال و دولت سے معاف ہو جاتا مگر کم درجے والوں کو بہر حال عقاب دیا جاتا. ان کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزارا جاتا. مصطفی جان رحمت ﷺ نے مساوات عدل و انصاف کے ساتھ

رہنے کی تعلیم دی اور اسلام نے بتایا کہ انساب و قبائل محض آپسی شناخت کے لیے ہے نہ کہ تفاخر و تکبر کے لیے: "کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل ہے، کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ ہی کسی گورے کو کالے پر فضیلت حاصل ہے بلکہ فضیلت صرف تقویٰ و پرہیز گاری سے ہے۔ (تو جو مُتَّقی اور پرہیز گار ہے وہ افضل ہے) قرآن میں ہے: "وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْاؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْؕ-اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ." (الحجرات، 49، آیت: 13)

ترجمہ: "اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔"

تحفظ و وقار نسواں: رحمت عالم ﷺ نے بیٹی کو رحمت الٰہی قرار دیا اس کی اچھی طرح دیکھ بھال میں ہونے والی دقت کو برکت کا ذریعہ بتایا اور بشرت عظمی کا پروانہ دیا، ہر طرح کی عزت و عظمت سے نواز، اور وراثت میں حصہ قرار دیا۔ رحمت ﷺ نے بچیوں کے ساتھ حسن سلوک پر بشارت دیتے ہوت ارشاد فرمایا: "من ابتلى بشيء من هذه البنات، كن له سترا من النار" (ترمذی) "جو شخص بیٹیوں کے حوالے سے آزمائش میں ڈالا جائے تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے حجاب بن جائیں گی"۔

شراب پر مکمل پابندی: علامہ ڈاکٹر غلام زرقانی صاحب قبلہ رقم طراز ہیں: "آفتاب اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے سرزمین عرب میں شراب نوشی روزمرہ کے معمولات میں داخل تھی۔

لوگ بڑے شوق و ذوق سے مزے لے لے کر شراب پیتے اور نشے میں دھت رہتے۔ نشے کی حالت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ ایک بار عبد اللہ بن جدعان نے نشے کی حالت میں امیہ بن صالت کی آنکھوں پر گھونسہ رسید کر دیا۔ ضرب اس قدر شدید تھی کہ جس سے بینائی سلب ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ دوسرے دن جب عبد اللہ بن جدعان کی ملاقات امیہ بن صلت سے ہوئی، تو وہ حیرت سے پوچھنے لگا کہ تمہاری آنکھوں میں یہ سوجن کیسی ہے؟ امیہ بن صلت نے جواب دیا کہ یہ سب تمہارے ہی گھونسہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ وہ حیرت سے تکنے لگا اور پھر قسم کھالی کہ آئندہ شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کو ان لوگوں میں سے شمار کیا جاتا ہے، جنہوں نے زمانہ جاہلیت ہی میں شراب چھوڑ دی تھی۔"

عہد حاضر میں بھی شراب نوشی کی کثرت ہے. شراب کے نقصانات و مضرات کے لیے یہ حدیث رقم کر دینا کافی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الا بشرب الخمر، فان شربها مفتاح کل شر." شراب نوشی سے دور رہو کہ بے شک شراب نوشی ہر خرابی کی کنجی ہے.

شراب نوشی ہی کی وجہ سے سڑک حادثے، کینسر کے امراض، ایک دوسرے پر حملہ آور ہونا، اپاہج، جرائم کا ارتکاب دن بدن بڑھتے ہی جارہے ہیں، سماجی و قومی ثقافت حد درجہ متاثر ہو رہی ہے. ان سب واردات و واقعات رپورٹس پر ایک نظر ڈالیے جس کو ڈاکٹر غلام زرقانی قادری صاحب نے اپنی تصنیف میں نقل فرمایا ہے؛ تو اندازہ ہو گا کہ شراب سے کیسے کیسے بھیانک اور خوف ناک حادثات پیش آے ہیں: آٹھ سو صفحات پر مشتمل کینسر رپورٹ کا یہ حصہ پڑھیے؛

"The report shows that alcohol-attributable cancers were responsible for a total of 337,400 deaths worldwide in 2010, mostly among men. The majority were liver cancer deaths, but drinking alcohol is also a risk for cancers of the mouth,oesophagus,bowel, stomach,pancreas, breast and others."(Sarah Boseley, The Guardian, 3Feb, 2014)

"رپورٹ کے مطابق دنیا میں 337,400، اموات مئے نوشی کے نتیجے میں ہونے والے کینسر کی وجہ سے زیادہ تر مردوں میں ہوئیں۔ گو کہ ان میں زیادہ تعداد جگر کے کینسر میں مبتلا تھی، تاہم مئے نوشی منہ، گلے، آنت، پیٹ لبلبہ اور پستان کے کینسر کا بھی سبب ہے۔"

سڑک حادثے کے حوالے سے یہ رپورٹ پڑھیں تعجب بعد میں پہلے افسوس ہو گا.

"Every day, 36people die, and approximately 700 are injured, in motor vehicle crashes that involve an alcohol-impaired driver. Drinking and drugged driving is the number one cause of death, injury and

disability of young people under the age of 21."(Professionals (NDCP)) ویب سائٹ دیکھنے)

"ہر دن سڑک حادثات میں مئے نوشی کی وجہ سے 36 لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور تقریبا 700 افراد زخمی ہوتے ہیں۔ مئے نوشی اور منشیات کی عادت 21 سال سے کم عمر کے بچوں میں موت، زخمی ہونے اور اپاہج ہونے کا سبب اول ہے۔"

جتنی باران رپورٹس کو پڑھیں دل دہل جاتا ہے، آنکھیں بھر آتی ہیں. اس لیے اسلام و پیغمبر اسلام نے شراب پر ہر طرح سے قدغن لگانے کے لیے جا بجا اس کی حرمت کا حکم صادر فرمایا اس کے باطنی و ظاہری امراض و مضرات سے آگاہی فراہم کی اور شرابیوں بلکہ اس کے جملہ مقدمات کو ملعون قرار دیا حدیث میں آیا ہے: "لَعَنَ اللّٰهُ الخَمَرَ، وَشَارِبَهَا، وَسَاقِيْهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا، وَ مُعْتَصِرَهَا، وَ حَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهَا". (مسند احمد)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ نے شراب پر لعنت فرمائی، نیز اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، اسے تیار کرنے والے، اس کے اٹھانے والے اور جس کے لیے اٹھائی جائے، سب پر لعنت فرمائی ہے۔"

قرآن میں ہے: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ". "(المائدۃ، 5، آیت: 90)

ترجمہ: "اے ایمان والو شراب اور جُوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔"

جملہ تصریحات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں شراب اور شرابی کتنا ناپسندیدہ و مکروہ ہے، شراب نوشی کار شیطان ہے. اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں بھی پابندیاں عائد کی گئیں قانون نافذ کرکے روک لگانے کی ہر ممکنہ کوشش کی مگر منشا کے مطابق کامیابی کم حاصل ہوئی مگر اسلام نے شراب کے خاتمہ کے لیے جو پابندیاں لگائی سماج پر اس کے عمدہ اثرات دیکھنے کو ملے نیز اسی پر عمل کرکے پورے عالم میں امن و سلامتی کی فضا قائم کی جاسکتی ہے اور بہتر تہذیب و تمدن کے گہوارہ کو وجود دیا جاسکتا ہے.

بالجملہ یہ کہ اسلامی احکامات اور نبوی تعلیمات اور اسلامی تہذیب و تمدن نے پوری دنیا کو نظام حیات بخشا؛ وہ یورپ جو جہالت و وحشت کا اڈہ تھا، جہاں سیاست و ثقافت، علوم و فنون کا تصور نہیں تھا مگر رحمت عالم کے مقناطیسی تعلیم و سیرت نے نقشہ ہی بدل دیا، کتابیں عربی سے یورپی زبان میں منتقل کی گئیں جس کی بنا پر ہر طرف علم و تمدن کی بہاریں نظر آنے لگیں اور ترقیاتی منصوبے تیار ہونے لگے. مزید بہ خوف طوالت اب چند حیرت انگیز اور قابل ذکر رپورٹس پیش کرکے اپنی مضمون کا اختتام کرتا ہوں۔

موسیو لیبان لکھتا ہے: "عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنا دیا یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا اخلاقی بھی تھا۔ انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کے ساتھ۔

انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔ مذہبی مجلس کی کھلی اجازت تھی ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہیں۔" (موسیولیبان، تمدن عرب: 257)

اسلامی تہذیب و تمدن کے اثرات دیگر ممالک پر نظریات تک کو محیط تھے۔ مسلمان مشرقی اور وسطی افریقہ بحر الکاہلی جزائر، ملایا اور چین میں تجارت کے غرض سے گئے تھے مگر اپنی غالب اور پرکشش تہذیب و ثقافت کی وجہ سے وہاں کا نقشہ بدل آئے۔ لہذا انڈونیشیا، ملایا، چین اور شرقی و وسطی افریقہ کے کروڑوں مسلمان ان تاجروں کی یاد دلاتے ہیں جو تیرہ سو سال پہلے ان علاقوں میں بغرض تجارت گئے تھے۔ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے: "عربوں کے اسپین اور سل کی تجارتی و صنعتی سرگرمیوں نے یورپ کی تجارت و صنعت کو جنم دیا۔ (رابرٹ بریفالٹ تشکیل انسانیت: 265)

ہست دین مصطفٰے دین حیات

شرع او تفسیرِ آئینِ حیات

عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی

معین الدین شیخ مرکزی

جامعۃ الرضا بریلی شریف

اسلامی تاریخ میں نبی اکرم ﷺ کا دور حکمرانی ایک روشن مثال اور ایک مثالی دور کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ دور نہ صرف اسلام کی بنیادی تعلیمات کا عملی نمونہ تھا بلکہ ایک ایسا نظام حکمرانی بھی تھا جس نے پوری دنیا کے لیے ایک بہترین مثال قائم کی۔ نبی کریم ﷺ نے ریاست مدینہ کی بنیاد رکھی، جو اسلامی ریاست کی پہلی شکل تھی اور جو آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک مثالی ماڈل کے طور پر موجود ہے۔

ریاست مدینہ کا قیام اور اس کا نظام حکمرانی قرآن و سنت کے اصولوں پر مبنی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رہنمائی کو اپنے دور حکمرانی میں ہر فیصلے کا محور و مرکز بنایا۔ اس دور کے نظام حکمرانی میں عدل و انصاف، حقوق العباد، اور اسلامی اخلاقیات کی پاسداری بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ نبی اکرم ﷺ کی حکمرانی نے اسلامی ریاست کے اصولوں کو ایک عملی شکل میں ڈھالا اور لوگوں کو اسلام کے حقیقی معنوں سے روشناس کروایا۔

ریاست مدینہ کا قیام عہد نبوی کی سب سے اہم خصوصیت تھی۔ یہ وہ پہلی اسلامی ریاست تھی جہاں مسلمانوں کو ایک منظم اور محفوظ معاشرہ میسر آیا۔ مدینہ منورہ کے معاہدے کی بدولت مختلف قبائل اور مذاہب کے لوگوں کے درمیان پر امن بقائے باہمی کی راہیں

کھلیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" (سورہ آل عمران: 103) یعنی "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور آپس میں تفرقہ مت ڈالو۔" اس آیت کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ نے ایک ایسا نظام قائم کیا جس میں اتحاد اور یکجہتی کو فروغ ملا۔

عہد نبوی کے نظام حکمرانی کی کچھ غیر معمولی خصوصیات:

قرآنی ہدایات پر مبنی قوانین:

عہد نبوی کا نظام حکمرانی قرآن کریم کے اصولوں پر مبنی تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ" (سورہ یوسف: 40) یعنی "حکم تو صرف اللہ کا ہے۔" اس آیت کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ نے اپنی حکمرانی کو اللہ کے احکامات کے مطابق چلایا۔ آپ ﷺ کے فیصلے ہمیشہ قرآن کریم اور وحی الٰہی کی روشنی میں کیے جاتے تھے، اور کسی بھی معاملے میں اللہ کے احکامات کو اولین ترجیح دی جاتی تھی۔

عدل وانصاف کا نظام:

عہد نبوی میں عدل و انصاف کا نظام نہایت مستحکم تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ" (سورہ النساء: 135) یعنی "اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں

کا۔" نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی روشنی میں ایک منصفانہ نظام قائم کیا جس میں ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا۔

مشاورت کا اصول:

عہد نبوی کا نظام حکمرانی مشاورت پر مبنی تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے مشاورت کو اپنی حکمرانی کا حصہ بنایا: "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ" (سورہ آل عمران: 159) یعنی "اور کاموں میں ان سے مشورہ لو۔" آپ ﷺ نے اہم فیصلوں میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور ان کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ اس مشاورتی عمل نے اسلامی ریاست کے نظام کو مزید مستحکم بنایا اور لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ ان کی رائے کی اہمیت ہے۔

معاشرتی اصلاحات:

نبی اکرم ﷺ کے دور میں معاشرتی اصلاحات کا عمل بھی جاری رہا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو ظلم و زیادتی سے روکنے کے لیے موثر قوانین نافذ کیے اور معاشرتی ناہمواریوں کو دور کرنے کے لیے اقدامات کیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ" (سورہ النحل: 90) یعنی "بیشک اللہ عدل اور احسان اور رشتے داروں کو دینے کا حکم فرماتا ہے۔" اس آیت کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ نے ایک منظم اور منصفانہ معاشرتی نظام قائم کیا۔

بین الاقوامی تعلقات:

عہد نبوی میں بین الاقوامی تعلقات کو بھی ایک نئی جہت ملی۔ نبی اکرم ﷺ نے مختلف ریاستوں اور قبائل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے اور معاہدات کی بنیاد پر امن وامان کو فروغ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا" (سورہ الحجرات: 13) یعنی "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو۔" اس آیت کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دیا اور مختلف ریاستوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کیے۔

امن وامان کا قیام:

عہد نبوی میں امن وامان کے قیام پر خصوصی توجہ دی گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف داخلی سطح پر بلکہ خارجی سطح پر بھی امن کی بحالی کے لیے اہم اقدامات کیے۔ مدینہ منورہ کے معاہدے نے مختلف قبائل اور مذاہب کے لوگوں کے درمیان پر امن بقائے باہمی کو ممکن بنایا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا" (سورہ النساء: 86) یعنی "اور جب تمہیں کوئی کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو۔" نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کی روشنی میں امن کی فضاء کو برقرار رکھنے کے لیے اسلامی قوانین کو عملی جامہ پہنایا۔

مختصراً یہ کہ عہد نبوی کا نظام حکمرانی اسلامی تاریخ کا ایک اہم اور مثالی دور تھا۔ اس دور میں احکام الٰہی کی بنیاد پر ایک منظم اور منصفانہ نظام قائم کیا گیا جس نے معاشرتی ناہمواریوں کو ختم کیا اور عدل و انصاف کو فروغ دیا۔ نبی اکرم ﷺ کی حکمرانی کا یہ دور نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لیے ایک بہترین مثال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورہ الاحزاب: 21)

یعنی "بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔" اس آیت کی روشنی میں عہد نبوی کی حکمرانی آج بھی مسلم معاشروں کے لیے مشعل راہ ہے۔ اس دور کی خصوصیات اور اصول کی پیروی سے دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف کا قیام ممکن ہو سکتا ہے، اور اس کے عملی نفاذ سے اسلامی معاشرہ ایک بار پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کر سکتا ہے۔

مولی تعالیٰ مسلم معاشروں اور حکومتوں کو عہد نبوی کے نظام حکمرانی کے مثالی، تابندہ نقوش کی پیروی کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین۔

سیرت نبوی ﷺ اور نظامِ دفاع و غزوات

دانیال سہیل عطاری

جامعۃ المدینہ، جہلم

نحمدہ و نصلی علی حبیبہ الکریم!

بعد از حمد و صلاۃ بلا تمہید اپنے موضوع کی جانب چلتے ہیں، محبوب کریم ﷺ کی سیرت کے گوشوں کو اٹھا کر دیکھیں تو جابجا یہ نظر آئے گا کہ محبوب کریم ﷺ نے ہر جگہ نظام دفاع کے متعلق بہت کام کیا جب بھی کوئ معاملات ہوتے تو آپ کا پہلا پُر عزم کام دفاع کرنا ہی ہوتا تاکہ جو کام۔ دفاع سے ہو سکتے ہیں وہ جنگ سے نہیں ہو سکتے۔ اور یاد رکھیں سیرت نبوی ﷺ اور اسلامی نظام دفاع و غزوات ایک ایسا موضوع ہے جو اسلامی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت میں نظام دفاع اور غزوات کی حکمت عملیوں کو نہ صرف دینی بلکہ دنیوی کامیابیوں کے حوالے سے بھی ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

نظام دفاع کی حکمت عملی:

نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کی ابتدائی زندگی میں اسلام کی دعوت کو پھیلانے کے لئے پرامن طریقے اختیار کیے۔ اس دوران مسلمانوں پر کفار مکہ کی جانب سے ظلم وستم کا سامنا رہا، مگر نبی ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو صبر واستقامت کا درس دیا۔ جب مکہ میں حالات انتہائی دشوار ہو گئے، تو اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کی گئی۔

مدینہ منورہ میں مسلمانوں نے اپنی ایک خود مختار ریاست قائم کی۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کی سوسائٹی میں دفاعی نظم و نسق کے حوالے سے بنیادی اصلاحات کیں، جن میں معاہدہ مدینہ بھی شامل ہے۔ اس معاہدے کے تحت مدینہ کے مختلف قبائل اور مذہبی گروہوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کو یقینی بنایا گیا۔ اور طرح اور کئی معاہدے کیے گئے جس سے مسلمانوں کی جان مال عزت کی حفاظت کی جاسکتی تھی۔

اسی طرح دفاعی نظام کے ساتھ ساتھ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد غزوات میں شرکت اور سرایات کو جنگوں کے لیے روانہ کیا اس باب میں بہت تفصیل ہے کہ ہر جنگ کا واقعہ مفصل بیان کیا جائے مگر اختصار کے ساتھ چند غزوات کا ذکر خیر کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ یاد رکھیں ایسے غزوات بھی موجود ہیں جن کے لیے لشکر مؤمنین روانہ تو ہوا مگر بغیر جنگ کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دفاعی نظام کو برقرار رکھتے ہیں معاملات کو حل کر دیا۔

اس کی شہادت (گواہی) ہجرت کے بارہویں مہینے ماہ ہونے والے اس غزوے سے ملتی ہے جس کو "غزوہ ابوا" کہتے ہیں۔ اس غزوے میں شرکت کیلئے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روانہ ہوا اس لشکر کے علمدار حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما تھے۔ اور محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے اپنا خلیفہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔ پندرہ دن سفر پر محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہے اور پھر بنو ضمرہ کے سردار "مجدی بن عمر الضمری" سے معاہدہ کر لیا گیا تھا۔ معاہدے کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"هذا كتاب من محمد رسول الله ﷺ لبنی ضمرة بانهم اٰمنون علیٰ اموالهم و انفسهم و ان لهم النصر علی من رامهم الا ان يحار بوا فی دين الله مابل بحر صوفة و ان النبی اذا دعاهم لنصره اجابوه عليهم بذالک ذمّة الله و رسوله۔"

ترجمہ: "یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تحریر ہے بنو ضمرہ کے لیے بدیں مضمون کہ ان کے مال اور جانیں محفوظ رہیں گی اور جو شخص ان کا قصد کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی جب تک سمندر ریشم کو تر کرتا رہے گا (یعنی ہمیشہ) بجز اس کے کہ وہ اللہ کے دین کی مخالفت میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو اپنی مدد میں بلائیں تو وہ آئیں گے ان کے ذاتھ اس امر میں اللہ اور اللہ کے رسول کا عہد ہے۔" {مواہب لدنیہ و سیرت حلبیہ}

ابن اسحاق، امام بخاری و امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن بریدہ کے واسطے سے روایت کیا کہ زید بن ارقم نے فرمایا محبوب کریم ﷺ نے انیس غزوات فرمائے جن میں سے سترہ میں (زید بن ارقم) نے شرکت کی۔ ابن سعد صاحب طبقات لکھتے ہیں کہ محبوب کریم ﷺ نے ستائیس غزوات میں شرکت کی اور ان میں سے 9 غزوات میں قتال ہوا۔ وہ 9 یہ ہیں۔ "غزوہ بدر، احد، احزاب، بنو قریظہ، بنو المصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف" {غزوات خیر البشر، ص 19}

درج ذیل چند غزوات کا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔

- غزوہ بواط: ہجرت کے دوسرے سال ربیع الاول کے مہینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو سو جاںنثاروں کو ساتھ لے کر "بواط" کی طرف روانہ ہوئے اس مہم میں "علم" حضرت سعد بن ابی

وقاص کے ہاتھ میں تھا مدینہ منورہ میں بقول ابن سعد، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو اور بقول ابن ہشام صائب بن عثمان بن مظعون کو اپنا نائب مقرر فرمایا اس مہم میں قریش کے اس تجارتی قافلے پر حملہ کرنا تھا جس کی قیادت امیہ بن خلف کر رہا تھا اس کے ساتھیوں کی تعداد سو تھی اور اس کے ساتھ ڈھائی ہزار اونٹ تھے جب حضور ﷺ بواط پہنچے تو پتہ چلا کہ قافلہ جا چکا ہے اور دشمنان دین سے مڈ بھیڑ نہ ہوئی چنانچہ حضور ﷺ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

غزوہ العشیرہ: قریش سے جنگ کے ارادہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے نکلے اور مدینہ میں ابو سلمہ بن عبد الاسد کو نائب مقرر کیا یہ قول ابن ہشام کا ہے ابن اسحاق کہتے ہیں مدینہ سے چل کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مقام قیفاء الخبار میں تشریف لائے اور میدانِ بطحاء ابن ازہر میں ایک درخت کے سایہ میں جس کو ذات الساق کہا جاتا ہے جلوہ افروز ہوئے اور یہیں نماز پڑھی چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مسجد یہاں موجود ہے اور اسی مقام پر رسول کریم کے لیے کھانا تیار کیا گیا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سب ہمراہیوں نے نوش فرمایا اور وہیں ایک چشمہ سے جس کا نام مشترب ہے سب لوگوں نے پانی پیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے کوچ فرمایا اور مقام عشیرہ پر جا اُترے یہاں آپ نے جمادی الاول کے کچھ دن اور جمادی الآخر کی کچھ راتیں قیام کیا اور بنی مدلج اور ان کے خلفاء بنی ضمرہ سے صلح کر کے مدینہ میں واپس تشریف لائے اس مہم میں علم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے اس غزوہ میں بھی لڑائی نہیں ہوئی۔

غزوہ صفوان: اس غزوہ کو بدر اولی بھی کہتے ہیں اصل واقعہ کچھ یوں ہے کہ مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کفار کے کچھ غنڈے جس کا سرغنہ کُرز بن جابر فہری تھا نے وہاں سے کچھ اونٹ جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ بھی تھے اور کچھ بھیڑ بکریاں کو ہانک کر لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پر زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو مقرر فرمایا اور علم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے تعاقب میں نکلے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "وادی صفوان" میں جا پہنچے جو بدر کے نزدیک ہے لیکن کفار کا وہ قافلہ تیزی سے آگے نکل گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ طیبہ آ گئے یہ غزوہ ربیع الاول میں ہوا اس میں بھی لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔

غزوہ بنی سلیم: اسے قرقرۃ الکُدْری بھی کہتے ہیں ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس تشریف لائے تو ایک ہفتہ بعد اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی سلیم اور غطفان نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مزید مہلت دینا پسند نہ فرمایا اور دو سو مجاہدین کو ساتھ لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے اس غزوہ میں سیدنا علی مرتضی لشکر اسلام کے علمبردار تھے مدینہ میں آپ نے سباع بن عرفطہ غفاری اور ابن ام مکتوم کو عامل بنایا۔ جب آپ اس قوم کے ایک کنویں پر پہنچے جس کا نام کدر تھا تین شب آپ نے وہاں قیام فرمایا لیکن کوئی مقابلہ کے لئے نہ آیا اور جنگ در پیش نہیں ہوئی لہذا آپ واپس مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

غزوۂ نجران: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ بنی سلیم بن منصور نے ایک لشکر اکٹھا کیا ہے اور وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو مجاہدین کو لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے حضور کی آمد کے بارے میں سن کر وہ سب تتر بتر ہو گئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سمیت بخریت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔اس دوران مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ مقرر فرمایا۔

یہ چند وہ غزوات تھے جن میں قتال نہیں ہوا۔ مگر اس کے برعکس دیکھا جائے تو وہ غزوات بھی موجود ہیں جن میں قتال ہوا ان کی تعداد 9 ہے۔ان غزوات کے نام اوپر گزر چکے ہیں۔سب سے پہلا غزوہ جو حق و باطل کے درمیان عظیم معرکہ تھا اس کو غزوہ بدر کہتے ہیں اس میں مسلمانوں کی تعداد 313 جبکہ کفار 1000 کی تعداد میں تھے پھر بھی حکم الٰہی و دعائے مصطفی کی برکت سے کفار نے شکست کھائی اور ذلت ورسوائی کی۔چادر اوڑھ کر پلٹ گئے۔

یوں ہی غزوہ احد، خندق و حنین اور غزوہ خیبر کے معاملات بھی ہیں ان کی تفصیلات بہت عام ہیں اور کتب سیرت محبوب کریم ﷺ میں آپکو ملیں گی اس لیے یہاں فقط ان غزوات کو ذکر کرنا مقصود تھا جن میں جنگ نہیں ہوئی اور محبوب کریم ﷺ نے حاکم ہونے کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے حکمت عملی سے کام لیا۔

نتائج: محبوب کریم ﷺ کا یہ عمل ہمیں بتاتا ہے دینی مصلحت کے سبب اگر دفاع کرنا ضروری ہو اور معاہدے میں خیر ہو تو ہمیں ان پر عمل کرنا چاہیے اگر ہم غصے میں بے قابو ہو کر کچھ لمحات کیلئے جنگ و قتال کر کے اپنے نقصان کا ہی سبب بنیں گے جبکہ اگر ہم اس وقت غصے کو دور

کر کے ایک حاکم، ایک سردار کی حیثیت سے سوچیں اور دفاعی نظام کو بروئے کار لائیں تو اس سے دینی فوائد زیادہ حاصل ہو سکتے ہیں۔

اور دورِ حاضر کا تقاضہ جنگ و قتال نہیں ہے اگر جنگ قتال کیا تو اس میں نقصان مسلمانوں کا ہو گا پھر غیر لوگ بھیڑیوں کی طرح نقصان میں اتر آئیں گے۔ اسلیے اس دور کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے دفاعی نظام کو ملحوظ خاطر رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو بہترین و ماہر علماء کو اپنا سرپرست بنا کر اس میدان میں قدم رکھنے کی دعوت دیں کیوں کہ جب ہماری سرپرستی علماء کریں گے تو کسی صورت بھی یہ حضرات ہمارے لیے دینی نقصان کا سبب نہیں بنیں گے کیوں کہ یہ شریعت و طریقت کے تقاضوں کو جانتے ہوں گے اور ہر۔وہ۔ فیصلہ کریں گے جس سے دین و مسلک کو فائدہ ہو۔ علماء بھی صبر و تحمل والے ہوں جو بعض جگھوں پر صبر کریں اور جہاں جوش کی حاجت ہو پھر وہاں اپنا قلعہ بھی گاڑنے کا ہنر جانتے ہوں۔ یہ سب تب ہی ممکن ہے جب ہم اپنے صحیح العقیدہ علماء سے مربوط ہوں گے۔

رب العالمین ہماری نظام دفاع کو برکتوں سے نوازے اور مسلمانوں کو ہر طرح کے شر ،فتنے اور فسادات سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین

اسلامی فتوحات اور غیب دان نبی ﷺ کی پیشن گوئی

محمد تمیز الدین مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کرنے کے بعد اپنے محبوب بندوں کا قافلہ بھیجا تاکہ انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھائے اور برائیوں سے بچائے جن میں سے بعض کو نبی اور بعض کو رسول کہتے ہیں گویا کہ تمام انبیاء و مرسلین دنیا میں معلم کی حیثیت سے تشریف لائے اور ساتھ ہی اللہ علام الغیوب نے انبیاء کرام بالخصوص سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار غیبی علوم عطا فرمائے اور یہ سلسلہ نزول قرآن کی تکمیل تک جاری رہا۔

علم غیب کے متعلق عقیدہ اہل سنت:

امام اہلسنت مجدد دین و ملت فرماتے ہیں: اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیے سے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریات دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت کا ہی منکر ہے۔(خالص الاعتقاد ص، 23,24 رضا اکیڈمی)۔(کیونکہ علم غیب خاصہ نبوت ہے اس کے بغیر نبوت کا تصور ہی نہیں کیونکہ نبی کا معنی ہی ہے غیب کی خبریں بتانے والا)۔مزید فرماتے ہیں: اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ تمام انبیا، (اور) تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے،

اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا۔ (ایضاً)

نیز اسی میں ہے: ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علما میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولی عزوجل نے اپنے محبوب اعظم کو عطا فرمائے۔ آیا: وہ روز اول سے روز آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے، یا ان میں تخصیص ہے۔ بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے... اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا... ہمارا مختار، قول الخیر ہے جو عام عرفائے کرام و بکثرت اعلام کا مسلک ہے۔ (ایضاً ص 26,27 رضا اکیڈمی)

اب علم غیب کا معنٰی جانتے ہیں: تعریف دو طرح سے ہوتی ہے: (1) حد لقبی (2) حد اصطلاحی

(1) حد لقبی: علم کے معنٰی "المنجد" میں ادراک الشئ بحقیقتہ اور الیقین والمعرفتہ ہے، اور غیب کے معنٰی ہے وہ چیز جو آنکھ سے مخفی ہو۔ لہذا علم غیب کا معنی ہوا وہ چیز جو آنکھ سے مخفی ہو اسے جاننا اور اس کی معرفت حاصل کرنا۔

(2) حد اصطلاحی: علم کا مفہوم: (1) امام راغب اصفہانی کی تعریف:- العلم ادراك الشئ بحقيقته. کسی شے کو اس کی حقیقت کے حوالے سے جان لینا علم ہے۔ (المفردات: 1 ۳۴۳) (2) امام غزائی کی تعریف:- معرفة المعلوم على ماهو به ۔ کسی شئے کو اس حقیقت وماہیت کے حوالے سے جس پر وہ قائم ہو پہچان لینا علم ہے۔ (المستصفی ص 24,

(3)امام جرجانی کی تعریف:هو الاعتقاد الجازم المطابق للواقع، علم وہ پختہ اعتقاد ہے جو واقعہ کے عین مطابق ہو۔(التعریفات ص,200)

امام راغب نے فقط شئ کے ادراک کو علم کہا ہے مگر امام غزالی نے شئ کے ادراک کے ساتھ شئ کی حقیقت کی معرفت کو علم کہا ہے، جسے تصور بھی کہا جاتا ہے، اور امام جرجانی نے معرفت اور ادراک سے آگے امر کا راسخ اعتقاد جو واقع کے مطابق بھی ہو اسے علم کہا ہے۔یعنی جس شئ کی موجودگی کے بارے میں انسان کو علم حاصل ہو رہا ہے وہ شئے فی الواقع موجود ہو۔ اسی طرح اگر کسی شئے کے معدوم (نہ ہونے) کے بارے میں علم حاصل ہوا ہے تو وہ شئ فی الواقع موجود نہ ہو۔

غیب کا مفہوم:(1) قاضی ناصر الدین بیضاوی غیب کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:والمراد به ای بالغیب الخفی الذي لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بدیهة العقل(بیضاوی شریف) غیب سے مراد ہر وہ مخفی شئے ہے جس کا ادراک نہ تو حواس کر سکیں اور نہ ہی وہ عقل کے دائرے میں آ سکے۔

(2)امام فخر الدین رازی نے غیب کی تعریف اس طرح کی ہے:ان الغیب هو الذي یکون غائبا عن الحاسة: غیب وہ ہے جو حاسہ سے غائب ہو۔(تفسیر کبیر ج,1ص,27)

یعنی ایسی مخفی شئ جس کا ادراک حواس اور عقل نا کر سکے اس کے علم کو "علم غیب" کہتے ہیں۔

علم کی دو قسمیں: علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ذاتی ہو اور ایک وہ جو عطائی ہو، ذاتی علم صرف اور صرف اللہ تعالی کو ہے اور عطائی علم اللہ تعالی کی عطا سے اس کے محبوبین کو بھی ہے، لہذا علم غیب کی بھی دو قسمیں ہو گی، علم غیب ذاتی، اور علم غیب عطائی، اور اس تقسیم کا ماننا نہایت ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم میں دونوں طرح کے علم غیب کا ذکر موجود ہے:

پہلی قسم کی آیت: (1) قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُؕ-وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ(65)

ترجمہ: تم فرماؤ خود غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔

دوسری قسم کی آیت: (1) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَۚ-وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ(102)

ترجمہ: یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پکا کیا تھا اور وہ داؤں چل رہے تھے۔

ایک فریب کا ازالہ:

یاد رہے کہ اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے محبوب کو بتانے کے بعد بھی لفظ غیب کا استعمال فرمایا لہذا جو یہ کہے کہ جب اللہ تعالی نے بتادیا تو غیب کہاں سے رہ گیا بالکل غلط اور باطل ہے اور یہ آیت کریمہ ان کے خلاف حجت تام ہے۔

دوسرے فریب کا ازالہ:

اور یہ بھی یاد رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ کے علم کی طرف نسبت کرتے ہوئے جزئی اضافی ہے اور کائنات کے علم کی طرف نسبت کرتے ہوئے کلی حقیقی ہے، مثلاً انسان حیوان کی طرف نسبت کرتے ہوئے جزئی اضافی ہے اور انسان اپنے افراد کی طرف نسبت کرتے ہوئے کلی حقیقی ہے، لہذا کسی شخص کا نبی کے علم کو جزئی کہہ کر چھوٹا سمجھنا یہ محض جہالت ہے کیونکہ حضور کا علم کائنات کے لحاظ سے کلی حقیقی ہے۔

تیسرے فریب کا ازالہ:

حضور ﷺ کے صحابہ کرام سے مشورہ لینے پر "عدم علم" کا اطلاق کرنا بالکل درست نہیں جیسے کہ اللہ تعالی کے فرشتوں سے مشورہ لینے پر عدم علم کا اطلاق جائز نہیں، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ لینا عدم علم کی بنیاد پر کوئی مانے تو وہ ایسے ہی کافر ہے جیسے کہ اللہ تعالی کے فرشتوں سے مشورہ لینے پر "عدم علم" کے اطلاق کرنے پر کافر ہو جاتا ہے۔ (مشورہ لینا صرف اور صرف تعلیم امت کیلئے تھا)

چوتھے فریب کا ازالہ:

حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہو جانے پر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا غمگیں ہونا یہ "عدم علم" کی دلیل ہر گز نہیں ہو سکتی، کیونکہ جب کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، جادوگر وغیرہ کہا تب بھی حضور غمگیں ہوئے تھے، کیا اس

وقت حضور کو اس بات کا علم نہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں ہیں؟ یقینا علم تھا، اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کو تو علم تھا کہ وہ پاک دامن ہیں، پھر بھی آپ کے غم کا حال یہ تھا کہ حدیث پاک کے الفاظ ہیں کہ آپ کے آنسو نہیں تھم تے تھے، لہذا پتہ چلا غمگیں ہونا "عدم علم" کی وجہ نہیں بن سکتا،، اور پھر آیت تطہیر نازل ہونے سے قبل نبی کریم نے ممبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا کہ جن لوگوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا پر تہمت لگائی ہے میں ان کے خلاف کاروائی کروں گا تو اگر حضور کو علم نہ ہوتا تو آپ کاروائی کرنے کی بات کیوں کرتے؟؟ لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا اور غمگیں ہونا ہر گز عدم علم کی وجہ سے نہیں تھا، اس طرح کا زعم یقیناً جھالت اور فریب کاری ہے۔

غیب دان نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بہت ساری جنگوں کے متعلق ان کے رونما ہونے سے قبل ہی فتح کی بشارت عطا فرمادی تھی، جس میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(1) جنگ بدر کے متعلق پیشنگوئی: 17, رمضان 1ھ جمعہ کی رات تھی تمام فوج تو آرام وچین کی نیند سو رہی تھی مگر ایک سرور کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذات تھی جو ساری رات خداوند عالم سے لو لگائے دعا میں مصروف تھی۔ صبح نمودار ہوئی تو آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کے لئے بیدار فرمایا پھر نماز کے بعد قرآن کی آیات جہاد سنا کر ایسا لرزہ خیز اور ولولہ انگیز وعظ فرمایا کہ مجاہدین اسلام کی رگوں کے خون کا قطرہ قطرہ جوش و خروش کا سمندر بن کر طوفانی موجیں مارنے لگا اور لوگ میدان جنگ کے لئے تیار ہونے لگے۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب صحابہ کرام مقام بدر میں پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا:

هَذَا مَصْرَعُ فُلانٍ، وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الأَرْضِ هُهُنَا وَهُهُنَا، قَالَ: ذفمَا ماط أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: یہ فلاں کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر فرماتے، یہاں اور یہاں۔(یعنی فلاں فلاں یہاں، یہاں قتل ہو کر گریں گے)،راوی حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ لیا نے اپنے ہاتھ سے جو نشان دہی فرمائی تھی اس جگہ سے ہٹ کر ادھر ادھر کوئی نہ گرا۔(صحيح البخاري، ج ٢، ص: ٦١١، كتاب المغازي باب غزوة الموتة من أرض الشام،مجلس البركات، مبارك پور.)

امام نووی نے اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

و فيه معجزتان من أعلام النبوة. أحدهما : إخباره - صلى الله تعالى عليه وسلم - بمصرع جبابرتهم، فلم يتعد مصرعه. إلخ . (المنهاج شرح الصحيح المسلم ج: ٢، ص: ١٠٢، كتاب الجهاد والشير / باب غزوة بدره مجلس البركات ، مبارك پور)

اس حدیث میں دو معجزے ہیں جو نبوت کے دلائل سے ہیں۔پہلا معجزہ یہ کہ نبی کریم نے ق ضا ظالموں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تو کوئی اس سے ادھر ادھر نہ گیا۔

حضور پر نور سید المرسلین ﷺ کا یہ ارشاد حضرت عمر فاروق اعظم ﷺ نے الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ، خدا کی قسم کھا کر بیان کیا ہے، حضرت انس بن مالک نے رویت ہلال کے ایک قواقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ أَنشَأَ (عُمَرَ (ن) يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ - صلى الله تعالى عليه وسلم -كَانَ يُرِينَا مَصَارِعَ ا مَصَاعَ أَهْل بَدرِ بِالأَمْسِ يَا يَقُولُ: هَذَا مَصْرَعُ فُلانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ ، قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: فَوَالَّ قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: فَوَالَّذِي بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَلُوا الْحُدُودَ الَّتِي حَدَّ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم – (الصحيح لمسلم ج: ٢، ص ٣٨٦، ٣٨٧، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، مجلس البركات.)

ترجمہ: حضرت عمر ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے کہ اللہ کے رسول نے ایک روز پہلے ہمیں اہل بدر کی ہلاکت گاہیں دکھادی تھیں اور بتادیا تھا کہ فلاں کل یہاں ہلاک ہو گا ان شاءاللہ۔ حضرت عمر نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہر ایک کے ہلاک ہونے کی جو جگہ بتائی تھی کوئی اس سے الگ نہ گرا۔

گویا کہ غیب داں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے ہلاکت گاہیں بیان کر کے مسلمانوں کو فتح کی خوشی عطافرمادی تھی۔

(2)جنگ احد کے متعلق پیشنگوئی:

جنگ بدر میں 70 کفار قتل اور 70 گرفتار ہوئے تھے اور وہ بھی جو قتل ہوئے ان میں سے اکثر کفار قریش کے سردار بلکہ تاجدار تھے اس بنا پر مکہ کا ایک ایک گھر ماتم کدہ ہوا تھا اور کفار قریش کا بچہ بچہ جوش انتقام میں اتش غیض وغضب کا تنور بن کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے بے قرار تھا، تو جوش انتقام کو پورا کرنے کے لیے کفار مکہ نے ایک لشکر جرار تیار کیا اور مدینہ پر چڑھائی کرنے کا مکمل عزم کر لیا اور ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خبر ہوئی تو اپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے مکان میں تشریف لے گئے اور اور ہتھیار زیبتا فرمایا اور پھر باہر تشریف لائے اگرچہ جنگ بہت سخت ہونی تھی پھر بھی حضور

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمادیا کہ اگر تم لوگ صبر کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہو گے تو ضرور تمہاری فتح ہوگی،(مدارج النبوۃ ج2ص,114)

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ڈٹے رہے فتح مسلمانوں کے ساتھ رہی۔

(3)فتح خیبر کے متعلق پیشنگوئی:

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: كَانَ عَلَى قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِي - صلى الله عليه وسلم - في خيبر وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ : أَنَا اتخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ الله - صلى الله عليه وسلَّمَ - فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِي - صلى الله عليه وسلَّمَ ، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فتحَهَا اللَّهُ فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ الله - صلى الله عليه وسلم : (لأعطينَّ الرَّايَةَ - أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ - غَدًا رَجُلاً يُحِبهُ اللهُ وَرَسُولُهُ - أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ - يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِي وَمَانرْجُوهُ، فَقَالُوا: هَذَا علي فَأَعْطَاهُ رَسُولُ الله صلى الله عليه وسلم - فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ.
(صحيح البخاري، ج ١، ص: ٥٢٥ كتاب المناقب / باب مناقب علي بن أبي طالب أبي الحسن القرشي، مجلس البركات، مبارك پور.)

ترجمہ: حضرت سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نبی اکرم سے غزوہ خیبر میں پیچھے رہ گئے تھے،انھیں آشوب چشم ہو گیا تھا۔انھوں نے سوچا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جا رہا ہوں، تو یہ نکل پڑے اور نبی اکرم سے جا ملے، جب اس شب کی شام ہوئی جس کی صبح میں اللہ تعالی نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں کل علم ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا یا علم ایسا شخص لے گا جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں، یا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اس کے ہاتھ پر اللہ تعالی فتح عطا فرمائے گا۔ہم نے دیکھا کہ حضرت علی آ گئے حالاں کہ ہمیں ان کے آنے کی امید نہ تھی، لوگ کہنے لگے یہ تو حضرت علی

ہیں۔ آ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو علم عنایت فرمایا پھر اللہ تعالی نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو آنے والے کل میں کیا ہوگا "اس کا علم تھا، ساتھ ہی اس بات کا بھی علم تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا، اور یہ بھی بتا دیا کہ فتح حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہاتھ پر ہو گی۔

(4) فتح بیت المقدس کے متعلق پیشنگوئی:

بیت المقدس کی فتح ہونے سے برسوں پہلے حضور اقدس مخبر صادق صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے غیب کی خبر دیتے ہوئے اپنی امت سے ارشاد فرمایا:

اعدد ستا بين يدي ساعة موتي ثم فتح بيت المقدس ثم موتان ياخذ فيكم كقعاص الغنم ثم استفاضة المال حتى يعطي الرجل مائة دينار فيظل ساخطا ثم فتنه لا يبقى بيت من العرب الا دخلته ثم هدنة تكون بينكم وبين بني الأصفر فيغدرون فياتونكم تحت ثمانين غاية تحت كل غاية اثنا عشر ألفاً. (بخارى جلد ۱ ص ۴۵۰ باب ما يحذر من الغدر ، مجلس بركات)۔

قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن رکھو (۱) میری وفات (۲) بیت المقدس کی فتح (۳) پھر طاعون کی وبا جو بکریوں کی گلٹیوں کی طرح تمہارے اندر شروع ہو جائے گی۔ (۴) اس قدر مال کی کثرت ہو جائے گی کہ کسی آدمی کو سو دینار دینے پر بھی وہ خوش نہیں ہوگا۔ (۵) ایک ایسا فتنہ اٹھے گا کہ عرب کا کوئی گھر باقی نہیں رہے گا جس میں فتنہ داخل نہ ہوا ہو۔ (۶) تمہارے اور رومیوں کے

درمیان ایک صلح ہو گی اور رومی عہد شکنی کریں گے ،اسی جھنڈے لے کر تمہارے اوپر حملہ آور ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہو گی۔

اس حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بیت المقدس فتح ہونے کے متعلق بہت پہلے ہی بشارت عطا فرمادی ہے۔

(5) فتح مکہ کے متعلق پیشنگوئی: سورہ" فتح "کے ذریعہ سے اور سورہ" نصر "کے ذریعہ سے حضور سرکار مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو فتح مکہ کی بشارت پہلے ہی عطا فرمادی تھی ۔سورہ فتح کی پہلی آیت کریمہ سے متعلق بعض مفسّرین وہ تمام اسلامی فتوحات مراد لیتے ہیں جو آئندہ ہونے والی تھیں جیسے مکہ ،خیبر ،حنین اور طائف وغیرہ کی فتوحات۔اس صورت میں یہاں فتح کو ماضی کے صیغہ سے اس لئے بیان کیا گیا کہ ان فتوحات کا وقوع یقینی تھا۔(خازن، الفتح، تحت الآیۃ: ۱، ۴/۱۴۴، روح البیان، الفتح، تحت الآیۃ: ۱، ۹/۷-۳ جلالین مع صاوی، الفتح، تحت الآیۃ: ۱، ۵/۱۹۶۶-۱۹۶۵، ملتقطاً)

سورہ نصر کی آیت میں فتح سے اسلام کی عام فتوحات مراد ہیں یا خاص فتحِ مکہ مراد ہے۔(خازن، النّصر، تحت الآیۃ: ۳-۱، ۴/۴۲۴-۴۲۳، مدارک، النّصر، تحت الآیۃ: ۳-۱، ص ۱۳۸۰، ملتقطاً)

(ماخوذ از صراط الجنان)

اللہ تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمارے قلوب میں عشق مصطفی کا نور نصیب فرمائے آمین ثم آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

امت پر حضور اکرم ﷺ کے حقوق

عمران رضا عطاری مدنی

جامعۃ المدینہ ناگپور، انڈیا

نبی اکرم نور مجسم شاہ بنی آدم ﷺ کی محبت ہر مسلمان کے زندگی کا جزء لاینفک ہونا چاہیے، حضور ﷺ کی محبت میں ہی جینا اور حضور کی محبت میں مرنا ہمارا نصب العین ہو۔ یہی تعلیم قرآن و حدیث اور اسلاف کرام نے دی ہے۔

معزز قارئین! جس طرح مختلف افراد کے حقوق ہماری ذات سے وابستہ ہیں جیسے والدین کے حقوق، اساتذہ کے حقوق، دوست واحباب اور رشتہ داروں کے حقوق اسی طرح کائنات کی سب سے عظیم شخصیت محبوب رب لم یزل صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بھی ہم پر امتی ہونے کے اعتبار سے لازم و ضروری ہیں جن کا پاس و لحاظ رکھنا ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ آگے ہم اپنے مضمون میں اس موضوع پر گفتگو کریں گے کہ امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق ہیں؟ تاکہ ان کو پڑھنے والا ان پر مطلع ہونے کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے۔ علمانے امت پر آٹھ (۸) حقوقِ مصطفی بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں:

• ایمان بر مصطفی ﷺ • محبت مصطفی ﷺ • اتباع مصطفی ﷺ • تعظیم مصطفی ﷺ • اتباع مصطفی ﷺ • ذکر مصطفی ﷺ • زیارت قبر مصطفی ﷺ • صلاۃ بر مصطفی ﷺ۔

آیئے مختصر تمام شقوں پر کچھ معلومات حاصل کریں!

ایمان بر مصطفیٰ ﷺ:

کوئی بھی انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے کیوں کہ محض لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنا کسی کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے محمد رسول اللہ کا صدق دل سے تسلیم کرنا بھی ضروری ہے، بہت سارے ایسے لوگ ہیں جنھوں نے خدا کی وحدانیت کا تو اقرار کیا لیکن محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہوئے بلکہ نبی اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے جو خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرتے تھے لیکن آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں بے جا شک وشبہ کرتے اور حضور پر ایمان نہ لائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا ابدی دائمی ٹھکانہ جہنم قرار پایا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانے کے متعلق اللہ جل وعلا قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا.

ترجمہ: اور جو ایمان نہ لائے اللہ اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے کافروں کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔(پارہ 26، سورہ فتح: 13)

قاضی ابو فضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام پر ایمان لانا یہ ہے کہ آپ کی نبوت ورسالت کی تصدیق کرے اور آپ جو کچھ لائے اور جو کچھ فرمایا ان سب کی تصدیق کرے، تصدیق قلبی کے ساتھ زبانی اقرار بھی کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

کے رسول ہیں، جب یہ تصدیق بالقلب پالی جائے اور زبانی شہادت بھی اس وقت ایمان مکمل اور تصدیق کامل ہو گی۔(الشفا، ص: 473)

محبت مصطفی ﷺ:

مسلمان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جزء لا ینفک کی حیثیت کی حامل ہے، بغیر اس کے کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اس بات کا حکم خود قرآن پاک میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان اپنے دل میں مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو رچائے بسائے جیسا کہ اللہ پاک فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ-وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ.

ترجمہ: تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔(پارہ 10، سورہ توبہ: 24)

بخاری شریف کی حدیث ہے، حضور جان کائنات ﷺ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ. اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (صحیح البخاری، ج:1، ص:12، رقم الحدیث:14)

امام ابو القاسم طبرانی ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ. جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔ (معجم اوسط، ج:9، ص:168، رقم الحدیث:9449)

صحابہ کرام سب سے زیادہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے کتب احادیث اور سیرت میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں، جیسے حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی محبوب نہیں۔ (الشفا، ص:496)

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: خدا کی قسم آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے مال، اولاد، اباء واجداد اور ہماری ماؤں بلکہ سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ (الشفا، ص:497)

اتباع مصطفیٰ ﷺ: قران پاک میں کئی مقامات پر اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور جو اتباع سے روگردانی اختیار کرتے ہیں ان کی سخت مذمت بیان کر کے وعیدوں کو بھی ذکر کیا تا کہ مسلمان حضور اکرم علیہ الصلوۃ

والسلام کے فرمان پر عمل کریں، اور ویسے بھی محبت کا دعوی اسی صورت میں صادق ہوتا ہے جب کہ محبوب کے اقوال و افعال کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے، تا کہ دیکھنے والا بھی یہ سمجھ جائے کہ اس کے یہ افعال اپنے محبوب کی ادامیں ہیں، اتباعِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیتے ہوئے اللہ پاک قرآن پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ-وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(پارہ 3، سورہ آل عمران: 31)

امام احمد بن حنبل مسند احمد میں حدیث روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اقْتَدَى بِي فَهُوَ مِنِّي، وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. جس نے میری اقتدا کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔(مسند أحمد، ج:38، ص:457، رقم الحدیث:23474)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کوئی بھی ایسا کام جس کو حضور ﷺ نے کیا ہو میں اس کو نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر عمل کرتا ہوں کیوں کہ مجھے خوف ہے کہ اگر میں اس کام کو نہ کروں تو کہیں میرا دل ٹیڑھا نہ کر دیا جائے۔(صحیح البخاري، ج:4، ص:79، رقم الحدیث:3092)

مشہور محدث امیر المؤمنین فی الحدیث امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
اہل علم کے ذریعے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ سنت کو مضبوطی سے تھامنے میں (ان پر عمل کرنے میں) نجات ہے۔(الشفا، ص:485)

تعظیم مصطفیٰ ﷺ:

اللہ رب العزت کی ذات کے بعد کائنات میں اگر کوئی سب سے زیادہ تعظیم و توقیر کا مستحق ہے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، مسلمانوں پر ہر صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم کرنا فرض اعظم ہے، اگر کوئی حضور ﷺ کی تعظیم کا منکر ہو اور کسی بھی طرح سے گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ اسی وقت دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے حتی کہ علمانے یہاں تک صراحت فرمائی کہ اگر کوئی نبی اکرم ﷺ کے لباس کو بھی گستاخانہ انداز میں ذکر کرے تو وہ کافر ہو جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر ہر شے کی تعظیم کرنا ہم پر لازم و ضروری ہے، حضور کی تعظیم و توقیر کا حکم اللہ نے ایمان کے بعد خود قرآن میں ارشاد فرمایا چناں چہ فرمایا:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ- وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا .

ترجمہ: تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بولو۔(پارہ 26، سورہ فتح:9)

صحابہ کرام نے تعظیمِ مصطفٰی کی ایسے مثالیں قائم فرمائی ہیں کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ و سلطان کی بھی اس طرح تعظیم نہ کی گئی، صحابہ کرام آپ کے لعاب پاک کو اپنے ہاتھوں میں لے کر جسم پر ملتے، یہ ادب کی ایسے مثال ہے جو کہیں اور دیکھنے سننے کو نہ ملی، کئی صحابہ آپ کے ادب کے پیشِ نظر مکمل نظر اٹھا کر آپ کو دیکھتے بھی نہ تھے، صحابہ حضور کے بال کو زمین پر آنے نہ دیتے بلکہ بطور تبرک اپنے پس رکھتے، صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا دروازہ ناخنوں کے ذریعہ بجاتے، ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو صحابہ ادب کے پیش نظر ایسے ہوتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج:۲۰۔ ص:۱۰۳، رقم الحدیث: ۳۸۴۳۳)

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رضویہ میں کئی مقامات پر محبت رسول کا درس دیا اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ ہیں ان کے سائے سے بھی بچنے کا حکم دیا چناں چہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے، ہر گز مسلمان نہیں۔ ماں باپ اولاد سارے جہان سے زیادہ ہمیں حضور کی محبت ہے۔ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو۔ جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی

عظمت، ان کی محبت کا نام ونشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ! پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں لاؤ! آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ (فتاویٰ رضویہ، ج: ۳۰، ص: ۳۱۰)

اطاعت مصطفی ﷺ:

ایک امتی ہونے کے لحاظ سے ہمارا یہ فریضہ بنتا ہے کہ ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، ان کے احکام پر عمل کریں، صحابہ کرام علیہم الرضوان کی زندگی کو دیکھا جائے تو اطاعت مصطفی سے لبریز نظر آتی ہے، وہ کام جن کا حضور نے حکم بھی نہیں ارشاد فرمایا، صحابہ کرام وہ بھی کا دیوانہ کرتے تاکہ ادائے مصطفی کو ادا کرنے میں کامیاب ہو سکیں، ہمارے لیے دونوں جہاں کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں کہ حضور کی اطاعت سے روگردانی اختیار کر کے ہماری دنیا میں بھی خواری ہوگی آخرت میں بھی خواری، اگر کامیابی اپنا مقدر بنانا چاہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا ہوگا اللہ پاک اطاعتِ مصطفی کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: **قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ**. تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ (پارہ 3، سورہ آل عمران: 32)

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور جو کچھ لائے اس کی تصدیق کرنے کے بعد یہ بھی لازم وضروری ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے

کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ کی جانب سے لائے انہیں میں ایک حکم یہ بھی ہے کہ رسول کی اطاعت کی جائے۔اس پر مختلف آیات دلالت کرتے ہیں، کئی آیات "شفا" میں مذکور ہیں۔(الشفا، ص:476)

اطاعتِ مصطفی کے وجوب پر کئی احادیث بھی دلالت کرتی ہیں چناں چہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنْ يَأْبَى ؟ قَالَ: مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. **تمام امت جنت میں داخل ہو گی سوائے اس کے جس نے میرا انکار کیا، صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکار کس نے کیا ؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔**(صحیح البخاري، ج:9، ص:92، رقم الحدیث: 7280)

دوسری جگہ فرمایا: مَنْ أَطَاعَنِي، فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ، وَمَنْ عَصَانِي، فَقَدْ عَصَى اللَّهَ. **جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ رب العزت کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی ان نے اللہ کی نافرمانی کی۔**(سنن ابن ماجہ، ج:2، ص:954، رقم الحدیث: 2859)

تیسری جگہ ارشاد فرمایا: إِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِالْأَمْرِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. **جب میں تمھیں کسی چیز سے منع کرو تو اس سے باز آجاؤ! اور جب کسی چیز کا حکم دوں تو حتی الامکان اس پر عمل کرو!**(السنن الکبری، ج:1، ص:571، رقم الحدیث: 1827)

معزز قارئین! ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی کو حضور اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع میں گزاریں، ہمارے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے ہر طرح کے معاملات سنت رسول کے مطابق ہوں، افسوس آج کل ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو دنیاوی ایکٹرز اور فلمی اداکاروں کی طرز پر اپنی زندگی گزار رہی ہے، ان کا اٹھنا بیٹھنا بولنے بات کرنے کا انداز یہ سب ان فلمی اداکاروں کے طریقے پر ہوتا ہے حالاں کہ شرعاً ایسا کرنا جائز نہیں کیوں کہ ان کے تقریباً کام شریعت اسلامیہ کے احکام کے خلاف ہوتے ہیں، انہوں نے فٹی پینٹ پہنی تو اب مسلمان کہلانے والا شخص بھی اپنی پنٹ کو پھاڑ لیتا ہے، انہوں نے فینسی بال رکھے اس نے بھی رکھ لیا ہے، اس نے فینسی داڑھی رکھی اس نے بھی رکھ لی، اس طرح کے معاملات میں پھنس کر ہمارا معاشرہ تباہ و برباد ہوتا جارہا ہے، اگر ہم اپنے معاشرے کو اچھا اور اپنی آخرت کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیے ہر معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں۔

ذکر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ہر محب اپنے محبوب کا ذکر کرتا ہے سننے والا بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ بار بار فلاں شخص کا ذکر کر رہا ہے یقیناً اُس کے دل میں اس کی محبت راسخ ہو چکی ہے، اور محبت کا تقاضہ بھی ہے کہ محبوب کا ذکر کیا جائے، کائنات میں سب سے زیادہ محبوب و مکرم عزیز و محترم، محتشم و معظم اگر کوئی شخصیت ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے، محبت کے معیار پر اترنے والی سب سے بڑی شخصیت حضور کی ذات ہے لہذا حضور سے محبت کے دعوے کی دلیل میں ہمیں چاہیے کہ کثرت کے ساتھ ذکرِ مصطفی کریں کیوں کہ خود اللہ رب العزت اپنے محبوب کا ذکر فرماتا

ہے، اللہ نے ارشاد فرمایا: وَ رَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ. ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ (پارہ 30، سورہ الم نشرح: 4) جب خود اللہ اپنے محبوب کا ذکر کرتے تو ہم پر کس قدر لازم و ضروری ہو گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے رہیں۔

زیارت قبر مصطفیٰ ﷺ:

ہر مسلمان کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ وہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ اپنے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضری دے، اور امتی ہونے کے اعتبار سے ہم پر ضروری بھی ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو صلوۃ و سلام عرض کریں، اپنی بخشش کے طالب ہو، شفاعت کی بھیک مانگیں۔ اس بات کا حکم خود قران میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَ اسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا.

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (پارہ 5، سورہ النساء: 64)

کئی احادیث میں قبر انور پر حاضری دینے کی ترغیب دلائی اور اس سے اعراض کی مذمت بھی وارد ہوئی، دو احادیث ملاحظہ فرمائیں: مَن زارَ قبري وجبَتْ لهُ شَفاعَتِي. جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہے۔ (سنن دار قطنی، ج:۳، ص:۳۳۴، رقم الحدیث:۲۶۹۵)

مَنْ لَم يَزُرْ قَبْرِي فَقَدْ جَفَانِي. جس نے میری قبر کی زیارت نہ کی، اس نے مجھ سے جفا کی۔(اتحاف الزائر، ص:۲۸)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حضور اکرم ﷺ کے روضہِ اقدس اور مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم اور اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استطاعت رکھتا ہے اس پر یہ واجب ہے۔(مدارج النبوت مترجم، ج:۲، ص:۵۱۶)

ہمیں چاہیے کہ استطاعت ہو تو ضرور بارگاہِ مصطفی میں حاضری دیں! فضائل مدینہ منورہ، عشاق کے واقعات، مدینہ کے آداب اور بہت کچھ جاننے کے لیے راقم کی کتاب شہر مصطفی ﷺ (مطبوعہ: مکتبہ اہل سنت مہراج گنج) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

صلاۃ بر مصطفی ﷺ:

امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق یہ بھی ہے کہ حضور جانِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت کے ساتھ صلاۃ و سلام پیش کیا جائے، اس میں ہمارے لیے بے شمار برکتیں بھی ہیں اور اخروی فوائد بھی اور یہ ایسا مبارک کام ہے کہ اللہ پاک بھی فرماتا ہے فرشتے بھی کرتے ہیں اور امتیوں کو بھی حکم دیا گیا کہ تم بھی کرو چناں چہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّؕ-یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا. (پارہ 22، سورہ احزاب: 56)

ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نامِ پاک حضور پُر نور سیّد ودعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختلف جلسوں میں جتنے بار لے یا سنے ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھے گا گناہ گار ہوگا اور سخت وعیدوں میں گرفتار۔ (مختار قول کے متعلق فرمایا:) ایک جلسہ میں ایک بار درود ادائے واجب کے لیے کفایت کرے گا، زیادہ کے ترک سے گناہ گار نہ ہوگا، مگر ثوابِ عظیم وفضلِ جسیم سے بیشک محروم رہا، کافی وقنیہ وغیرہما میں اسی قول کی تصحیح کی۔ (فتاویٰ رضویہ، ج:6، ص:223)

درود پاک پڑھنے کے فضائل بہت ہیں، اس باب میں کثرت سے احادیث وارد ہوئیں، علما نے خاص فضائلِ درود پر کئی کتابیں تصنیف کی ہیں، ہمیں چاہیے کہ دورد پاک کے فضائل و برکات حاصل کرنے کے لیے کثرت سے درود پاک پڑھیں، کم از کم روزانہ ۳۱۳ مرتبہ لازمی طور پر درود پڑھیں، ان شاء اللہ اس کی برکت سے روزِ قیامت قربِ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نصیب ہوگا۔

تعلیمات نبوی ﷺ اور حقوق انسانیت

محمد مہتاب رضا چشتی مدنی

جامعۃ المدینہ، ناگپور، انڈیا

حقوق ایک ایسی چیز ہے جو ہر انسان سے متعلق ہوتے ہیں، ہر انسان پر معاشرے کے حقوق اور خاندان کے حقوق ہیں پھر خاندان میں بھی والدین کے حقوق، زوجین کے حقوق، بچوں کے حقوق، بہنوں کے حقوق، اولاد کے حقوق وغیرہ شامل ہیں اور یہ حقوق ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اس کو کامل طور سے ادا کیا جائے تو معاشرہ میں امن وامان کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور معاشرے میں بہتر انسان اسی کو سمجھا جاتا ہے جو حقوق کی پاسداری کرتے ہیں ، جس خاندان میں حقوق کے پاسداری کی جاتی ہے وہ خاندان امن وامان کا گہوارہ ہوتا ہے، پڑوسیوں اور اہل محلہ کے حقوق ادا کیے جائیں تو محلے میں بھی امن وامان اور شانتی پیدا ہو جاتی ہے ، چوں کہ اسلام امن وامان کا درس دیتا ہے اس لیے حقوق کے متعلق تعلیمات نبوی ﷺ سے کتابیں بھری ہیں۔ دنیا تو آج حقوق کی بات کر رہی ہے قربان جائیں پیارے آقا خاتم الانبیاء ﷺ کے ذات بابرکات پر جنہوں نے آج سے چودہ سو سال پہلے ہی حقوق کے متعلق اپنے ماننے والوں کو تعلیم بھی دی اور اس پر عمل کی تاکید بھی فرمائی۔ ویسے تو حقوق کا موضوع بہت طویل ہے جس پر علمانے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں لیکن میں یہاں ان چند حقوق کو بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں جن کا تعلق انسان کی روزمرہ زندگی سے ہوتا ہے۔

حقوق والدین: والدین وہ ہیں جو اپنی پوری زندگی اپنے بچوں پر نچھاور کر دیتے ہیں، بچپن سے لے کر جوانی تک کے مراحل، تعلیم و تربیت اور اس میں آنے والی ساری مشکلات کا سامنا کر کے اسے کسی لائق بنانے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے تعلیمات نبوی ﷺ میں والدین کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے، جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان سے نرم کلام کرنے اور ان کے حکم کی بجا آوری کرنے کا حکم فرمایا اور اس کے علاوہ دیگر حقوق کو ادا کرنے کا حکم دیا بلکہ حقوق کی ادائیگی پر بشارتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کون سا عمل اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: الصلاۃ علی وقتھا نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا ہے۔ حضرت عبد اللہ نے عرض کیا: پھر کون سا عمل؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «ثم بر الوالدین» والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ (الادب المفرد، ج1، ص71، رقم الحدیث 1، طبع: دار السمان)

اولاد کو اپنی ماں کے حقوق کو ادا کرنے اور حسن سلوک کرنے کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: الجنۃ تحت أقدام الأمھات جنت ماں کے قدموں میں ہے۔ (فیض القدیر، حرف الجیم، ج1، ص361، رقم الحدیث 3642، طبع: المکتبۃ التجاریۃ)

باپ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا: الوالد أوسط أبواب الجنة، فإن شئت فأضع ذلك الباب أو احفظه۔ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اگر چاہو تو اسے ضائع کر دو اور چاہو تو اس کی حفاظت کرو۔ (سنن الترمذی، ج4، ص312، رقم الحدیث 1900، طبع: مصطفی البابی)

دروازے کی حفاظت سے مراد ہے کہ والد کے تمام حقوق کو ادا کیا جائے، ان کی فرمانبرداری اور حسن سلوک کیا جائے۔ اور ضائع کرنا یہ ہے کہ والد کی نافرمانی کرے اور اس کے حقوق ادا نہ کرے تو گویا کہ اس نے جنت کا دروازہ ضائع کر دیا اور جب دروازہ ہی ضائع کر دیا تو پھر جنت میں بھلا کیسے داخل ہوگا؟

پڑوسی کے حقوق: ایک ہی محلے یا سوسائٹی میں رہنے والے لوگ اگر ایک دوسرے سے میل جول نہ رکھیں، دُکھ درد میں شریک نہ ہوں تو بہت سی مشقتیں اور پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لیے اسلام نے جہاں ماں باپ اور عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک، ہمدردی و اخوت، پیار و محبت، اَمن و سلامتی اور ایک دوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہونے کی تعلیم دی ہے وہیں مسلمانوں کے محلے اور پڑوس میں بسنے والے دیگر مسلمانوں کو بھی محروم نہیں رکھا بلکہ ان کی جان و مال اور اہل و عیال کی حفاظت کا ایسا درس دیا کہ اگر اُس پر عمل کیا جائے تو بہت سے معاشرتی مسائل حل ہو سکتے ہیں پڑوسی جس کا ظاہری طور پر نہ کوئی خونی اور نہ خاندانی رشتہ ہوتا ہے لیکن اسلام نے اس کے بھی حقوق بیان کیے اور اس کے حقوق کی ادائیگی پر بشارتیں اور نہ ادا کرنے پر مذمتیں بیان کی ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں حضور ﷺ نے فرمایا: لیس المؤمن الذي يشبع وجاره جائع۔ وہ کامل مومن نہیں ہے جو سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (سنن الکبری للبیھقي، ج10، ص5، رقم الحدیث 19668، طبع: دار الکتب العلمیة)

یہ کتنی بڑی بات ہے کہ وہ مومن کامل نہیں جو تو سیر ہو لیکن اس کا پڑوسی بھوکا ہو یعنی ایک مومن پر حق ہے کہ اپنے پڑوسی کا خیال رکھے، اس کی خدمت کرے وہ بیمار پڑے تو اس کی

عیادت کرے، اس کے یہاں کوئی سانحہ پیش آئے تو اس کے غم میں شریک ہو، پڑوسی کے متعلق یہ اسلام کی کیسی عظیم تعلیم ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا: یارسول اللہ ایک شخص ہے جو رات میں قیام کرتا ہے دن میں روزے رکھتا ہے کام کرتا ہے صدقہ کرتا ہے لیکن اپنے زبان سے پڑوسی کو اذیت دیتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس میں کوئی خیر نہیں، وہ جہنمیوں میں سے ہے۔ صحابہ نے کہا کہ ایک شخص ہے جو صرف فرض نماز پڑھتا ہے اور تھوڑا صدقہ کرتا ہے اور لیکن کسی کو ایذا نہیں دیتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جنتی ہے۔ (الادب المفرد، ج 1، ص 233، رقم الحدیث 119، طبع: دار السمان)

وہ لوگ جو اسلام پر انگشت نمائی کرتے ہیں انہیں یہاں غور کرنا چاہیے کہ ایک مسلمان ہے جو نماز بھی پڑھتا ہے روزے بھی رکھتا ہے صدقہ بھی کرتا ہے لیکن پڑوسی کو تکلیف دیتا ہے کہ اس کے بارے میں تعلیمات نبوی ﷺ یہ ہے کہ اس میں کوئی خیر نہیں ہے اس لیے اپنے پڑوسیوں سے خیال رکھیں اور عبادات کے ساتھ تعلمات نبوی ﷺ میں جو حقوق بیان ہوئے اس پر بھی عمل کرنے کی کوشش کریں۔

اولاد کے حقوق: اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت اور ان سے محبت والفت یہ والدین پر اولاد کے حقوق میں سے ہے، جس طرح والدین کے اولاد پر حقوق ہیں، اسی طرح اولاد کے والدین پر حقوق ہیں، جس طرح تعلیمات نبوی ﷺ میں والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم، ایسے ہی اولاد کے ساتھ احسان کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

حضرت اقرع نے فرمایا: میرے دس بچے ہیں اور میں نے ان میں سے کبھی کسی کو بوسہ نہیں لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے طرف دیکھا اور فرمایا: من لا یرحم لا یرحم۔ جو رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (الادب المفرد، ج 1، ص ۱۹۹، رقم الحدیث ۹۱، طبع: دار السمان)

عبد اللہ بن عمر سے روایت آپ نے فرمایا: اللہ تعالی نے کچھ لوگوں کا نام ابرار (نیکی کرنے والا) رکھا، اس لیے کہ وہ والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں۔ (الادب المفرد، ج 1، ص 203، رقم الحدیث 94، باب: بر الاب لولدہ، طبع: دار السمان)

اساتذہ کے حقوق: علم انسان کو زمین سے اوج سریا کی بلندی تک پہنچا دیتا ہے جب کہ علم کو اس طرح حاصل کیا جائے جس طرح اس کو حاصل کرنے کا حق ہے اور اس کے اولین حقوق میں سے ہے کہ جس سے آپ علم حاصل کر رہے ہیں اس کا ادب کریں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وقروا من تعلمون منہ العلم۔ تم جس سے علم حاصل کرو اس کی تعظیم کرو۔ (کنز العمال، ج 10، ص 250، رقم الحدیث 29338، طبع: مؤسسۃ الرسالۃ)

اور استاذ کے حقوق سے یہ بھی ہے ان کے سامنے اور انکے پیچھے بھی انکا ادب کریں، انکی غیبت اور چغلی نہ کریں، کوئی سبق نہ سمجھ آئے تو ادبا عرض کریں، ان کے سامنے آواز بلند نہ کریں وغیرہ۔

بوڑھوں کی حقوق: ہمارا پیارا دین ''اسلام'' تعلیم دیتا ہے کہ جو عمر اور مقام و مرتبے میں چھوٹا ہو، اس کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کریں اور جو علم، عمر، عہدے اور منصب میں ہم سے

بڑے ہیں، ان کا ادب و احترام بجالائیں۔ بڑھاپے میں انسان مختلف بیماریوں اور جسم کی کمزوری کی وجہ سے بے بس ہو جاتا ہے اور ایسے موقع پر اُسے پیار محبت، آرام و سکون اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے، دینِ اسلام نے جہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، کاروبار اور دیگر معاملات میں ہماری شرعی راہنمائی فرمائی ہے وہیں بوڑھوں کے مقام و مرتبے اور اُن کے ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم۔ اللہ پاک کے آخری نبی محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ پاک کی تعظیم میں سے ہے۔ (سنن ابوداؤد، ج 7، ص 212، رقم الحدیث 4843، طبع: الرسالۃ العالمیۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص حُضورِ اکرم صلّٰی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، لوگوں نے اسے جگہ دینے میں دیر کی تو رسولِ کریم صلّٰی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ (سنن الترمذي، ج ٣، ص ٤٧٩، رقم الحدیث 1919، طبع: دار الغرب الاسلامی)

بوڑھوں کی عزت کیجئے دینِ اسلام نے ہمیں بوڑھے والدین کے ساتھ ساتھ رشتے داروں اور معاشرے میں موجود دیگر بوڑھے حضرات کی بھی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق: اِسلام دینِ کامل ہے، اللہ عَزَّ وَجَلَّ نے اِسے زندگی کے ہر شعبے میں راہنما بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی احکامات پر عمل میں اُخروی ثواب کے ساتھ دنیوی زندگی کو پُرسکون بنانے کی ضمانت بھی ہے، انہیں احکام میں سے ایک صلۂ رحمی بھی ہے۔ لٰہذا رشتہ

داروں سے خندہ پیشانی سے ملنا، مالی مشکلات میں ان کی مدد کرنا، دُکھ سُکھ میں شرکت کر کے اُن کی دلجوئی کا سامان کرنا یہ سب صلۂ رحمی میں شامل ہے، تعلیمات نبوی ﷺ میں اس کی بڑی تاکید ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «ثلاث من كن فيه حاسبه الله حسابا يسيرا وأدخله الجنة برحمته» تین صفات ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اسے اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! کن (صفات والوں) کو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «تعطي من حرمك، وتعفو عمن ظلمك، وتصل من قطعك» جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر، جو تُجھ پر ظلم کرے تو اسے معاف کر، اور جو تجھ سے (رشتہ داری اور تعلق) توڑے تو اس سے جوڑ۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر میں یہ کام کرلوں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «أن تحاسب حسابا يسيرا ويدخلك الله الجنة برحمته» تجھ سے حساب آسان لیا جائے گا اور تجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمادے گا۔ (مستدرک للحاکم،، ج ۲، ص ۵۶۳، رقم الحدیث ۳۹۱۲، طبع: دار الکتب العلمیۃ)

حضور ﷺ نے فرمایا: رشتہ توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (سنن الترمذي، ج ۳، ص ٤٧٣، رقم الحدیث 1909، طبع: دار الغرب الاسلامی)

آپس میں محبت اور الفت سے رہیں اور رشتہ توڑنے سے بچیں۔ ان شاء اللہ اس کی دنیا میں بھی برکت نصیب ہوں گے لوگ آپ کے قریب ہوں، دکھ سکھ میں ساتھ دیں گے،

مصیبت پڑنے پر مدد کریں گے، ان سے ہماری زندگی میں رونق ہوگی، جب کہ آخرت میں جنت ہمارا مقدر ہوگی۔

بہن اور بیٹی کے حقوق: عُموماً وہ رشتہ دار کہ جن کا اُٹھنا بیٹھنا زیادہ ہو اور میل ملاپ بھی بکثرت ہوں تو انہیں رنجیدگی اور ناراضی کا سامنا بھی زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ بہن بھائی آپس میں زیادہ قریب ہوتے ہیں، اس لیے عُموماً ان کے درمیان تعلُّقات بھی خراب ہونے کا اندیشہ رہتا ہے ، لیکن اگر ہم شریعت کے تقاضوں اور اَخلاقیات کو ملحوظ رکھیں تو ان شاء اللہ عزوجل ان ناچاقیوں اور ناراضیوں کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اسی طرح بیٹی کہ جسے زمانہ جاہلیت میں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا بلکہ اس زمانے میں بھی دیکھا جاتا ہے کچھ لوگ بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ شریعت نے بیٹی کے حقوق بیان کیے اور ان کی بہترین تربیت اور حسن سلوک کرنے پر جہنم سے آزادی کا پروانہ بھی عطا فرمایا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من كان له ثلاث بنات أو ثلاث أخوات أو ابنتان أو أختان» فأحسن صحبتهن واتقى الله فيهن فله الجنة۔ جس کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں یا دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے اور ان کے معاملات میں اللہ سے ڈرے تو اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن الترمذي، وابواب، ج٣، ص٤٧٥، رقم الحدیث ١٩١٣، طبع: دار الغرب الاسلامی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شَخْص پر بیٹیوں کی پَرْوَرِش کا بوجھ آپڑے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک (یعنی اچھا برتاؤ) کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنّم سے آڑ بن جائیں گی۔ (صحیح مسلم، ج4، ص2027، رقم الحدیث 2629، طبع: دار الغرب الاسلامی)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کے پورے پورے حقوق ادا کریں کہ ایک شخص ک جہنم میں فقط اس لیے ڈالا جائے گا کہ اس نے اپنی بہن کے حقوق ادا نہ کیے حالاں کہ وہ عبادت گزار تھا۔

یتیم کے حقوق: اس میں شک نہیں کہ جب تک باپ سلامت رہتا ہے وہ اپنے بچوں کے لئے مضبوط محافظ، بہترین نگران (Guardian)، شفیق استاذ اور ایک سایہ دار درخت ثابت ہوتا ہے۔ لیکن جیسے ہی دنیا سے رُخصت ہوتا ہے تو بچّوں کے سَر سے گویا سائبان لپیٹ دیا جاتا ہے۔ بعض اپنے بھی پَرائے ہونے لگتے ہیں، بعض رشتہ دار نگاہیں پھیر لیتے ہیں اور اگر باپ کچھ مال چھوڑ کر گیا ہو تو کچھ رشتے دار بُھوکے گِدھ کی طرح مالِ وراثت پر نظریں گاڑ کر تاک میں بیٹھ جاتے اور موقع ملنے پر یتیموں کا حق ہتھیا کر اپنی آخرت برباد کرتے ہیں۔ یتیم کے متعلق تعلیمات نبوی ﷺ یہ ہے کہ یتیم سے نیک سلوک کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں متعدد مقامات پر یتیموں کے حُقوق کی طرف توجّہ دلائی گئی ہے حضور ﷺ نے فرمایا: أنا وكافل اليتيم في الجنة كهاتين›› میں اور یتیم کی کَفالَت کرنے والا جنّت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں (یعنی شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی) کے ساتھ اشارہ فرمایا۔ (سنن الترمذي، ج4، ص 321، رقم الحدیث ۱۹۱۸، طبع: دار الغرب الاسلامی)

دوسری حدیث میں فرمایا: مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بُرا گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ بد سلوکی کی جاتی ہو۔

راستے کے حقوق: دینِ اسلام نے جہاں زندگی کے دیگر شعبہ جات میں ہماری راہنمائی فرمائی ہے وہیں راستوں کے حقوق کے متعلق بھی ہمیں کافی درس دیا ہے، کہ کسی کو تکلیف نہ دو! کسی کو بری نظر سے نہ دیکھو! عوتوں سے اپنی نظر کی حفاظت کرو! راستے سے تکلیف دہ چیز جیسے پتھر یا اس طرح کی کوئی چیز ہو تو اسے بھی ہٹادو! بھولے ہوؤں کو راہ دکھاؤ! پریشان حال کی مدد کرو! کوئی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو اس کا سہارا بن جاؤ!

حدیث پاک میں ہے: اللہ پاک کے آخری نبی ﷺ نے صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچو! انہوں نے عرض کی: بسا اوقات ہمیں وہاں بات چیت کرنے کے لئے بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ آپ صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر بیٹھنا ہی ہے تو پھر راستے کا حق ادا کرو۔ انہوں نے عرض کی: یارسولَ اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔ (صحیح البخاری، ج2، ص870، رقم الحدیث 2333، طبع: دار ابن کثیر)

دوسری حدیث میں فرمایا: «إن شجرة كانت تؤذي المسلمين، فجاء رجل فقطعها. فدخل الجنة». ایک درخت سے مسلمانوں کو ایذا ہوتی تھی ایک شخص نے اسے کاٹ دیا تو اللہ تعالی نے اسے جنت عطا فرمایا۔ (صحیح مسلم، ج ٤، ص ٢٠٢١، رقم الحدیث ١٩١٤، طبع: عیسی البابي)

معاشرے میں باخلاق اور بہترین کردار والے انسان کو پسند کیا جاتا ہے اور یاد رہے کہ انسان باخلاق اور اچھے کردار والا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ ان حقوق کو ادا کرے جو اس پر ضروری ہے جیسا کہ اس کی ترغیب بھی موجود ہے کہ (حق والوں کو اس کا حق ادا کرو) گویا کہ

اس میں ایک ترغیب ہے اگر آپ معاشرے کے اچھے فرد بننا چاہتے ہیں اور لوگوں کے نور نظر بننا چاہتے ہیں تو حقوق کو ادا کرے اور معاشرے کا چین و سکون، تعمیر و ترقی، فلاح و بہبود اس میں بسنے والے افراد کے اخلاق و کردار کی حفاظت اور باہمی تعلقات کی مضبوطی کو عمل میں لائیں کہ فرد سے ہی معاشرہ بنتا ہے، اگر ہر فرد یہ ذمہ داری لے لے کہ مجھے اپنے حقوق ادا کرے تو ان شاء اللہ معاشرہ اچھا اور بہتر ہو جائے گا۔اس لیے مختلف تہذیبوں اور معاشروں میں انسانی حقوق(Rights Human)کی حفاظت کے لیے دینِ اسلام نے یہ حقوق بیان کیے ہیں اور اسلام کو اِنسانی حقوق کے تحفظ میں سب پر برتری حاصل ہے۔ جس طرح اسلام نے متعلقہ افراد کے حقوق بیان کیے ہیں یہ تعلیمات کسی اور دین و مذہب میں نظر نہیں آتی۔اللہ عمل کی توفیق بخشے،آمین۔

تجارت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد علاء الدین قادری سبحانی

جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "۔

ترجمہ: "بے شک تمھیں رسول کی پیروی بہتر ہے"۔ (پ: ۲۳، سورۂ احزاب، آیت: ۲۱)

جب ہم سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں؛ تو یہ بات آفتابِ نیم روز کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ سیرت نبوی انسانی زندگی کے تمام شعبوں مثلاً سیاسی، سماجی، معاشی اور ازدواجی زندگی میں مکمل رہنمائی کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آپ کی زندگی ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے ۔ایک کامیاب زندگی گزارنے کی تمام رموز و اسرار آپ کی حیات طیبہ میں پنہاں ہیں۔ جس پر عمل پیرا ہونا دارین میں یقیناً کامیابی کی دلیل ہے۔

جب ہم احادیث کریمہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو تعلیمات نبوی میں تجارت کے حوالے سے ایسے رہنما اصول نظر آتے ہیں جن پر عمل فریقین کے لیے سود مند اور ایک تاجر کے لیے قابل تقلید ہے۔ حصول رزق کے یوں تو بے شمار ذرائع ہیں لیکن ان میں تجارت کا پیشہ بہترین ذریعہ ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حصول رزق کا یہ ذریعہ اختیار کیا اور آپ فرماتے ہیں کہ رزق کے دس حصے ہیں اور نو حصے تجارت میں ہیں۔

تجارت کا میدان یوں تو بہت وسیع ہے۔ جس کے ہر ہر پہلو پر فقہ و حدیث کی کتابوں میں مکمل گفتگو کی گئی، اور احادیث کی روشنی میں تجارت کے پیچیدہ سے پیچیدہ تر مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہاں ان کا احاطہ مقصود تو نہیں ہے لیکن بر حکم امتثال تجارت کی چند بنیادی چیزیں احادیث کریمہ کی روشنی میں ہدیۂ قارئین ہیں۔ تفصیل کے لیے کتب حدیث و فقہ کا مطالعہ نا گزیر ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔(بخاری ،کتاب الأدب، باب التبسم والضحک ، حدیث: ۶۰۹۲)

ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ہنستے نہ دیکھا حتی کہ میں آپ کے انتہائی تالو دیکھ لیتی، آپ مسکرایا کرتے تھے۔

ایک تاجر کا خوش مزاج اور ہنس مکھ ہونا انتہائی ضروری ہے۔ آنے والے گاہک سے خندہ روئی کے ساتھ پیش آنا اور اس کی مطلوبہ چیز دکھانے میں بالکل بھی ماتھے پر شکن نہ آئے بلکہ مکمل اطمینان کے ساتھ اسے دکھائیں؛ باوجود اس کے اگر اسے پسند نہ آئے اور وہ کچھ لیے بغیر چلا جائے اس وقت بھی صبر و تحمل سے کام لیں۔ ایسا کرنے سے وہ ضرور متاثر ہوگا اور آئندہ اگر اسے کسی چیز کی ضرورت پڑی تو وہ ضرور آپ کے پاس آئے گا اور اس طرح آپ کامیاب ہوتے چلے جائیں گے۔ اس کے برخلاف اگر ترش روئی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے تو ناکامی اور بدقسمتی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

(۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: " ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ". قُلْنَا : مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَدْ خَابُوا وَخَسِرُوا ؟ فَقَالَ " الْمَنَّانُ، وَالْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلِفِ الْكَاذِبِ ". (جامع ترمذی، ابواب البيوع، باب من حلف على سلعة كاذبا، ج: ١، ص: ١٤٥)

ترجمہ: تین ایسے شخص ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کو پاکیزہ کرئے گا، اوران کے لیے دردناک عذاب ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! وہ کون ہیں ؟ ناکام ہوئے اور نقصان سے دوچار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''اپنا کپڑا (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا، احسان جتانے والا اور جھوٹی قسم سے اپنے سامان کی مانگ بڑھانے والا''۔

ایک تاجر کا راست باز اور امانت دار ہونا ضروری ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تاجر جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لے گا تو وقتی طور پر وہ ایک کامیاب انسان تو ہو سکتا ہے؛ لیکن وہ ایک کامیاب تاجر نہیں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ جھوٹ اور دھوکہ دہی کا جلد یا بدیر راز افشا ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ بدامانتی کی وجہ لوگ وہاں جانا ترک کردیں گے اور مارکیٹ میں ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ تو دنیاوی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت کا خسارہ اس پر مستزاد ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک راست باز اور امانت دار تاجر کی تعریف و توصیف اور اس کا مقام و مرتبہ اور اس کی جدوجہد کو سراہتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں: " التَّاجِرُ الصَّدُوقُ الْأَمِينُ مَعَ النَّبِيِّينَ، وَالصِّدِّيقِينَ، وَالشُّهَدَاءِ "۔ (جامع ترمذی، أبواب البیوع، ج: ۱، ص: ۱۴۵)

ترجمہ: سچا اور امانت دار تاجر پیغمبروں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

ذہن کے پردے پر یہ سوال ابھر کے آتا ہے کہ بازار میں حصولِ معاش کے لیے کوشاں شخص کیسے قیامت دن انبیا، صدیقین اور شہدا کے ہمراہ ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تاجر کا ایک خوبصورت اور کامیاب معاشرہ کی تشکیل میں نہایت ہی اہم کردار ہے۔

(۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: " لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ فَإِنَّهُ غَرَرٌ "۔(بلوغ المرام، كتاب البيوع، حديث: ٨٤٢ ، ص: ١٦٩)

ترجمہ: مچھلی کی خرید وفروخت پانی کے اندر نہ کرو کیوں کہ اس میں دھوکہ ہے۔

حدیثِ مذکورہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جن چیزوں میں دھوکہ ہو یعنی مبیع نامعلوم اور غیر متعین ہو تو اس کی بیع جائز نہیں ہے کیوں کہ مبیع مجہول اور غیر متعین ہے جو باعثِ نزع ہے۔آپ ذرا غور کریں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کتنا واضح اور شاندار ہے۔

(۴) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لَعَنَ رسولُ الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ، وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ، وَ قالَ: " هُمْ سَواءٌ"۔(بلوغ المرام، کتاب البیوع، حدیث:۸۴۹، ص:۱۶۹)

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ربا کھانے، کھلانے، اس کو لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔

ہم اور آپ جس معاشرہ میں زندگی گزار رہے ہیں اس میں جہاں بے شمار خرابیاں موجود ہیں وہیں سود جیسے لعنتی گناہ کا بھی بازار گرم ہے۔ ہمارے معاشرہ کی ناکامی اور بدقسمتی

میں اس کا بہت اہم کردار ہے۔ پوری پوری قوم اس کی نحوست کا شکار ہے۔ جس سے کوئی ناعاقبت اندیش ہی انکار کر سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی سودی کاروبار حرام کر دیا اور ان کے کھانے، کھلانے، لکھنے اور گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی۔

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: "أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا، فَقَالَ : " يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ، مَا هَذَا ؟ ". قَالَ : أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ : " أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتَّى يَرَاهُ النَّاسُ "، ثُمَّ قَالَ : " مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا "۔ (جامع ترمذی، ابواب البیوع، ج: ۱، ص: ۱۵۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس میں داخل کیا تو آپ کی انگشت مبارک تر ہو گئی آپ نے فرمایا: "غلہ والے! یہ کیا ہے؟" اس نے عرض کیا کہ حضور بارش کے سبب بھیگ گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے اسے اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ سکیں۔ پھر آپ نے فرمایا: "جو دھوکہ دے ہم میں سے نہیں ہے"۔

سبحان اللہ! حضور کی باریک بینی اور دور اندیشی کی کیا بات ہے۔ آج بھی لوگ گاہکوں کو اس طرح دھوکہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ اصول تجارت ہی کے منافی ہے کہ دکھائیں کچھ اور دیں کچھ؛ حضور نے فرمایا کہ جو دھوکہ دے وہ ہم سے نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے وہ ہمارے طریقۂ کار پر نہیں ہے۔

(٦) حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ گناہ کبیرہ کے بارے میں حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: " الشِّرْكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ، وَقَوْلُ الزُّورِ "۔(جامع ترمذی، ابواب البیوع، ج:۱، ص:۱۵۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناجائز طور پر کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی بات کہنا (یہ سب گناہ کبیرہ ہیں)۔

آج بھی ایسے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں تو کام نہیں چلتا ہے۔ جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے اور اسے اپنی مجبوری بتاتے ہیں۔ یاد رہے رزق حلال کا حصول فرض ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ رزق حلال طلب کرو اب اگر کوئی اسے اللہ کا حکم سمجھ کر رزق حلال کے طلب میں مشغول ہے تو یہ بھی رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور حصول رزق کے ساتھ ساتھ رضائے الٰہی کا حصول یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیوں کہ بندہ تو بظاہر دنیاداری کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ خرید و فرخت میں جھوٹ بول رہا ہے تو یہ عین رضائے مولٰی کے خلاف ہے یوں تو جھوٹ کی مذمت میں قرآن و حدیث میں بے شمار آیات و روایات وارد ہیں لیکن بطور خاص خرید و فرخت کے وقت جھوٹ بولنا اس کی سخت ترین وعید آئی ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے۔

(۷) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور کو فرماتے سنا کہ آپ نے فرمایا: "إِذَا سَبَّبَ اللَّهُ لِأَحَدِكُمْ رِزْقًا مِنْ وَجْهٍ، فَلَا يَدَعْهُ حَتَّى يَتَغَيَّرَ لَهُ، أَوْ يَتَنَكَّرَ لَهُ"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، حدیث:۲۱۴۷)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے لیے ایک جہت سے کوئی رزق کھول دے تو اس رزق کو چھوڑے نہیں، یہاں تک کہ اس کے حق میں وہ بدل جائے۔

اس حدیث پاک سے یہ درس ملتا ہے کہ روزی دینے والا اللہ ہی کے ذات ہے۔ بندہ چاہے کتنا ہی ہاتھ پیر مارے، رزق اسی وقت ملے گا اور اسی جگہ سے ملے گا جہاں اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیا ہے۔ اس لیے اگر ایک جگہ رزق مل رہا ہے تو اسے ٹھکرانا نہیں چاہیے، بلکہ صبر و شکر کا دامن تھامے رہنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ سے بہتری کی دعا کرنی چاہیے۔ لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ حرص و طمع کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں پھر یہاں بھی ناکامی ہاتھ آتی ہے۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں سیرتِ نبوی کا مطالعہ کرنے اور تعلیمات نبوی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

نعت اکیڈمی

اغراض و مقاصد

نعتیہ تعلیم و ادب کو پروان چڑھانے اور معیاری نعت کے فروغ کے لیے ایک منفرد عملی کوشش

- نعت گوئی اور نعت خوانی کے معیاری ادب کی اشاعت کرنا۔
- تنقیدِ نعت کے مثبت رویوں کو پروان چڑھانا۔
- عشق و محبتِ رسول ﷺ، احترام اہل بیت و صحابہ اور اکرام اولیا و صوفیہ کی ترویج و تبلیغ کرنا۔
- نعت کی تعلیم کا ابلاغ سلف صالحین، اولیائے کاملین اور بزرگان دین کے ملفوظات کی روشنی میں کرنا۔
- حمد و نعت گوئی کے صحیح اصولوں سے واقف کرانا۔
- نئی نسل میں روایتی نعت خوانی کی جڑوں کو مضبوط کرنا۔
- نعت خوانی کو دورِ حاضر کے ناپسندیدہ رجحانات و امکانات سے بچانے کی سعی کرنا۔
- نعت خوانی میں علمی، فکری اور شخصی رجحانات میں بہتری لانا۔
- منبرِ نعت خوانی پر بیٹھنے والے نعت خواں حضرات میں حمد و نعت کے تقدس اور اس کے لوازمات کا شعور و ادب بیدار کرنا۔
- نعت خوانی اور ذکر و فکر کے ذریعے نوجوانوں میں محبت و خشیتِ الٰہی اور عشقِ رسول ﷺ کے جذبات ابھارنا۔
- مسلک حق اہل سنت و جماعت بالخصوص نظریات و افکارِ امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی کا تحفظ و استحکام کرنا۔

نعت اکیڈمی واٹسپ چینل

ہماری ویب سائٹ